پرمود سیریز

ایچ اقبال

PRAMOD SERIES
CK PRODUCTIONS QUETA

# پرمود کی واپسی

boldromanticnovels.pk

# پرمود کی واپسی

زندگی کو داؤ پر لگا دینا یقیناایک بڑا کام ہے جو ہر شخص کے بس کی بات نہیں کیونکہ یہ وصف اہلِ دل کے لیے مخصوص ہے متاع عام نہیں۔ جنگ عظیم کے دنوں میں پیدا ہونے والی ایک مہم ماضی کے قصوں سے ایک تحریر

ایچ اقبال

دلیری اور ذہانت کی علامت میجر پرمود کی ایک خطرناک مہم کا قصہ

**اس** رات ستاروں کے قافلے بادلوں کے غبار میں چھپے ہوئے تھے۔ بارش کا آغاز شام کو ہوا تھا لیکن اس میں شدت دس بجے کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ شدت کیا تھی بس ایک خوف ناک طوفان پھٹ پڑا تھا۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک سن سن کر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تباہی کرہ ارض کا مقدر بن چکی ہو۔ ایسی خوف ناک بارشیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں لیکن مون لینڈ کے سرحدی ثمر فارگل کے باشندے اس کے عادی ہو چکے تھے۔ وہاں بارش یا تو ہوتی نہیں تھی اور اگر ہوتی تھی تو پھر ایسے ہی خوف ناک انداز میں کہ سارا شہر تلپٹ ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس رات بھی فارگل میں ایسی ہی بارش ہوئی تھی۔

ایک فیشن ایبل بستی کے چھوٹے سے بنگلے کی کھڑکی میں کھڑا ہوا جوان اور خوب صورت آدمی، سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتا ہوا شاید بارش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ شب خوابی کے لباس پر گہرے سبز رنگ کے گاؤن میں اس کی شخصیت بڑی پرکشش نظر آ رہی تھی۔ گہری سیاہ اور چمکیلی آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ سرخ ڈورے دیکھ کر یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اس نے بہت زیادہ شراب پی رکھی ہو گی لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ آنکھوں میں چھایا ہوا وہ خمار محض اس لیے تھا کہ نیند پوری نہیں ہو سکی تھی۔ وہ ایک خواب دیکھ کر جاگ اٹھا تھا اور پھر خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے ذہن نے نیند کو گلے لگانے سے انکار کر دیا تھا۔

خواب میں نظر آنے والی شخصیت ایک لڑکی کی تھی، ایک خوب صورت لڑکی تمثیلہ! اور تمثیلہ کو خواب میں دیکھ کر بے چین ہو جانے والا شخص میجر پرمود کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔

وہ پرمود ہی تھا۔ وہ اسی دن صبح سن گراڈ سے فارگل پہنچا تھا۔ ریڈش جاسوسوں کی قائم کردہ اسلحہ ساز فیکٹری کی تباہی کے بعد اس نے وہاں چار دن گزارے تھے اور پھر ٹرانسمیٹر پر بلگارنوی ہیڈ کوارٹر سے اس کے لیے ہدایات موصول ہوئی تھیں۔ انہی ہدایات کی روشنی میں وہ فارگل پہنچا تھا۔

سرحد وہاں سے نوے میل کے فاصلے پر تھی۔ اس سرحد کو پار کر کے پرمود مملکت زارنیکا میں داخل ہوتا۔ زارنیکا ان ملکوں میں سے ایک تھا جو معاہدہ ڈولیگ میں شامل تھے۔

بلگارنیہ نے زارنیکن حکومت کو آگاہ کر دیا تھا کہ میجر پرمود وہاں پہنچنے والا ہے۔ وہ لوگ پرمود کو ایک بحری جہاز پر سوار کر دیتے اور وہ جہاز پرمود کو بلگارنیہ

کے دارالسلطنت شالمی گڑھ پہنچا دیتا۔ گویا یہ پرمود کی واپسی کا سفر ہوتا۔

بظاہر اس پلان پر عمل درآمد آسان نظر آ رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں پرمود کو رہ رہ کر یہ بات محسوس ہو رہی تھی کہ بہت سی دشواریاں اور خطرات اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے تجربات شاہد تھے کہ اسے جب بھی خطرے کا احساس ہوا تھا خطرات ضرور پیش آئے تھے۔ اس کی چھٹی حس خطرات کے معاملے میں بہت ہی تیز تھی۔

اس نے کھڑکی میں کھڑے کھڑے سگریٹ پھونک ڈالا اور دونوں ہاتھ چوکھٹ پر رکھ کر کسی قدر آگے جھک گیا۔ پانی کی دبیز چادر اس کی آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی تھی۔ اندھیرے کے باعث کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بار بار بجلی چمک رہی تھی لیکن اس کی روشنی میں بھی زیادہ فاصلے تک نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ برستے ہوئے پانی کی برق رفتار تسلسل نے ایک دیوار سی قائم کر دی تھی۔ بارش کی وجہ سے سردی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ویسے بھی وہ سردیوں ہی کے دن تھے۔ چند منٹ بعد اس نے کھڑکی بند کی اور اپنے بستر کی طرف بڑھا اور گاؤن اتار کر لحاف میں گھس گیا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا لیمپ بجھانے ہی والا تھا کہ لائٹ خود بخود ہی غائب ہو گئی۔ غالباً بارش کی وجہ سے کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔

پرمود نے لحاف سر تک تان لیا مگر نیند اب بھی اس کی آنکھوں سے دور تھی اور تصور میں تمثیلہ کا چہرہ تھرک رہا تھا۔ خواب میں اس نے اپنا ہی بنگلہ دیکھا تھا اور اس کے ایک کمرے میں کھڑی ہوئی تمثیلہ اس سے کہہ رہی تھی۔ تم کب واپس آؤ گے پرمود۔ اتنے دن ہو گئے، میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔

اور پھر ایک خوف ناک دھماکے کے ساتھ بنگلے کے پرخچے اڑ گئے۔ خطرے کے سائرن چیخنے لگے۔ دشمن کے طیاروں نے شالمی گڑھ پر حملہ کر دیا تھا۔ بم ایک تسلسل کے ساتھ پھٹنے لگے تھے۔

پرمود کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ تمثیلہ کی یاد اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی تھی اور وہ بستر سے اٹھ گیا تھا لیکن اب دوبارہ بستر پر لیٹنے کے بعد بھی وہ بے چینی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اس وقت اڑ کر شالمی گڑھ پہنچ جاتا جہاں اس کی جانِ تمنا منتظر تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں

صرف دو ہی چیزوں سے محبت کی تھی۔ ایک اس کا وطن تھا اور دوسری تمثیلہ! کافی دن سے اس کے یہ دونوں محبوب اس سے بچھڑے ہوئے تھے، بلگارنیہ اور تمثیلہ! وہ ان دونوں ہی کے لیے بے چین تھا اور خواب دیکھ کر وہ بے چینی دوچند ہو گئی تھی۔

دفعتاً اسے یوں معلوم ہوا جیسے کوئی زور زور سے دروازہ پیٹ رہا ہو۔ اس نے چونک کر لحاف سر سے اٹھا دیا اور غور سے سننے لگا۔ بارش کے شور کی وجہ سے وہ آواز صاف سنائی نہیں دے رہی تھی لیکن غور کرنے سے پرمود کو یقین ہو گیا کہ بنگلے کا بیرونی دروازہ پیٹا جا رہا ہے۔ اگر بجلی فیل نہ ہوتی تو شاید کال بیل کا بٹن دبایا جاتا۔

اتنی رات گئے کون ہو سکتا ہے۔ پرمود یہ سوچتا ہوا بستر سے اٹھا۔ اس وقت ایک بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ پرمود نے جلدی سے گاؤن پہنا، اندھیرے میں ٹٹول کر میز سے ٹارچ اٹھائی اور تکیے کے نیچے سے ریوالور نکال لیا۔ وہ کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہتا تھا۔ ایسی طوفانی رات میں کسی کی آمد معنی خیز ہی ہو سکتی تھی۔

فارگل آنے کے بعد پرمود نے صرف ایک آدمی سے ملاقات کی تھی۔ عابد جو بلگارنوی ایجنٹ تھا، صرف اسی کو پرمود کی رہائش گاہ معلوم تھی کیونکہ رہائش کا بندوبست ہی اسی نے کیا تھا لیکن اس بات پر یقین کرنے میں پرمود کو ہچکچاہٹ تھی کہ اس وقت آنے والا عابد ہوگا۔

وہ اپنے کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ ٹارچ اس کے بائیں ہاتھ میں تھی اور ریوالور دائیں ہاتھ میں۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ باہر سے دروازہ اب بھی پوری قوت سے پیٹا جا رہا تھا۔

پرمود نے ٹارچ بجھا کر چٹخنی گرائی اور دروازے کو تھوڑا سا کھولتا ہوا دیوار سے چپک گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک عود کر آئی تھی۔ اس نے اپنا سانس روک لیا۔ وہ اپنے نامعلوم مہمان کا استقبال کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔

باہر سے دروازے کو دھکیل کر مزید کھولا گیا اور پھر کسی نے اندر قدم رکھتے ہوئے کپکپاتی سی آواز میں پکارا۔ ”میجر صاحب!“

اندھیرے میں اس آدمی کی شکل دکھائی نہیں دی تھی لیکن آواز سے وہ صاف پہچانا گیا۔ وہ عابد ہی تھا۔ پرمود نے ایک طویل سانس لیا اور اس کے سامنے جاتے ہوئے ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی۔ عابد پانی میں شرابور تھا۔

”خیریت۔“ پرمود نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”بجھا دیجیے، بجھا دیجیے ٹارچ۔“ عابد نے مضطربانہ لہجے میں کہا اور پلٹ کر دیکھا۔

پرمود کو حیرت تو ہوئی تھی لیکن اس نے ٹارچ بجھانے میں تاخیر نہیں کی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کسی قسم کا خطرہ قریب ہے۔

”ہم اندرونی کمرے میں چل کر گفتگو کریں گے۔“ عابد نے کہا۔

پرمود نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا اور دروازہ بند کرنے کے لیے ایک قدم آگے بڑھا۔

اچانک بجلی نے فضا میں ایک جھولا سا کھایا اور پرمود نے باہر دو تین سائے حرکت کرتے دیکھے۔ پھر ایک شعلہ لپکا، گولی چلنے کی آواز ہوئی اور پرمود برقی سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا۔ دوسرے ہی ثانیے اندھیرے میں عابد کی کراہ سنائی دی۔ پرمود جس گولی سے بچا تھا وہ عابد کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی۔

گولیاں باقاعدگی سے چلنے لگیں۔ عابد فرش پر گر چکا تھا اور میجر پرمود اس کے قریب ہی فرش پر اوندھا لیٹا ہوا باہر سے آنے والی گولیوں کا جواب دے رہا تھا۔

”گولی کہاں لگی ہے عابد۔“ اس نے دریافت کیا۔

”سینے میں ۔۔۔ پیوست ہو چکی ہے۔“ عابد نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔ ”آپ

آپ۔۔۔ یہ سنبھالیے۔'' عابد نے ہاتھ بڑھایا۔

''کیا ہے؟'' پرمود نے پوچھا۔

اسی وقت باہر سے ایک چیخ سنائی دی۔ غالباً پرمود کی چلائی ہوئی گولی کام کر گئی تھی۔ پرمود نے ریوالور چوم لیا۔

''یہ ایک۔۔۔ انگشتری ہے میجر!'' عابد نے کہا۔ ''بے حد اہمیت ہے اس کی! بہت ضروری ہے کہ یہ شاہی گڑھ پہنچ جائے۔ میں نے۔۔۔ اپنی جان پر کھیل کر۔۔۔ اسے آپ تک۔۔۔ پہنچایا ہے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے۔۔۔ کہ۔۔۔ اسے شاہی گڑھ پہنچائیں۔''

پرمود نے اندھیرے میں ہاتھ بڑھا کر انگشتری لے لی۔

''اب آپ۔۔۔ پچھلے راستے سے۔۔۔ نکل جائیے۔'' عابد بولنے میں بڑی دشواری محسوس کر رہا تھا۔ ''میرے جسم میں ابھی اتنی جان باقی ہے۔۔۔ کہ میں دو چار منٹ۔۔۔ ان لوگوں کو۔۔۔ الجھائے رکھوں گا۔''

''لیکن۔۔۔''

''آپ میری فکر نہ کریں میجر! میں اب اس منزل پر پہنچ چکا ہوں کہ فکر کرنے سے۔۔۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میں ذرا دیر کا مہمان ہوں۔ آپ اس انگشتری کو لے کر۔۔۔ فوراً یہاں سے۔۔۔ چلے جائیں۔۔۔ یہ بہت اہم ہے میجر۔۔۔! بہت اہم! آپ جلدی کیجیے۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قربانی رائیگاں جائے۔ میرے پاس ریوالور ہے۔ میں ان لوگوں کو الجھائے رکھتا ہوں۔''

ایسے موقعوں پر فرار ہونا پرمود کی فطرت کے منافی تھا لیکن انگشتری کی نامعلوم اہمیت کے پیش نظر اسے عابد کی بات ماننا ہی پڑی۔ عابد نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر پہلا فائر کیا۔

''اچھا عابد، خدا حافظ!''

''خدا حافظ میجر!'' عابد نے کہا۔

پرمود فرش پر رینگتا ہوا اندرونی دروازے کی طرف چلا گیا۔ عابد کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں کی جان نکلی جا رہی ہو۔ اس کے سینے میں بڑی سخت تکلیف تھی۔ خون کافی مقدار میں بہہ رہا تھا۔ اس پر غشی سی طاری ہونے لگی لیکن اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے دوسرا فائر کیا۔

بارش کا اب بھی وہی عالم تھا۔ گرج چمک کے ساتھ ایسا شور ہو رہا تھا جیسے قیامت پھٹ پڑی ہو۔ اس شور کی وجہ سے گولیاں چلنے کی آوازیں آس پاس کی عمارتوں کے مکینوں کو نہیں چونکا سکتی تھیں۔ اگر بارش کے طوفانی شور کی آڑ حاصل نہ ہوتی تو شاید وہ لوگ اتنی فائرنگ سے گریز ہی کرتے۔

تیسرا فائر کرنے کے لیے عابد کو کافی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ اب اس کے اعصاب پر غشی طاری ہونے لگا تھا۔ ایک ایک رگ تکلیف دہ طریقے پر کھنچنے لگی تھی۔ بینائی پر بھی برا گہرا اثر پڑا تھا۔ اگر روشنی ہوتی تب بھی اسے اب صاف دکھائی نہیں دیتا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب بس چند لمحوں کا مہمان ہے۔

اس نے دل ہی دل میں کلمہ شہادت پڑھا اور پھر چوتھا فائر کرنے کے لیے ٹریگر پر دباؤ ڈالنا چاہا۔ اس نے کافی جدوجہد کی لیکن اب جدوجہد کی منزل گزر چکی تھی۔ اس کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر فرش پر گر پڑا، پیشانی ٹھنڈے فرش سے جا لگی اور آنکھیں پتھرا گئیں۔

عابد نے اپنے معبود حقیقی کی امانت واپس کر دی تھی۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ منجمد نظر آتی۔ گویا اس امانت کی واپسی پر وہ دل گرفتہ نہیں تھا۔ ایک عابد ایسے موقع پر دل گرفتہ ہو بھی نہیں سکتا۔

باہر سے فائرنگ کا سلسلہ اب بھی جاری رہا۔ پھر اچانک اُدھر سے بھی فائرنگ رک گئی۔ غالباً ان کے رکنے کا سبب یہی تھا کہ ان کی مخالف سمت سے گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں۔ کوئی دو منٹ تک اس حد تک سناٹا رہا کہ گولی چلنے کی آواز نہیں

ہوئی۔ اچانک دروازے کی آڑ سے ٹارچ کی روشنی اندر پھینکی گئی۔ اس روشنی نے بڑی تیزی سے کمرے میں چاروں طرف حرکت کی اور پھر روشنی کا دائرہ عابد کی لاش کو اپنے احاطے میں لے کر جیسے ٹھٹک گیا۔ دوسرے ہی ثانیے دو آدمی تیزی سے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بھی پانی میں شرابور تھے۔ ٹارچ لمبے آدمی کے ہاتھ میں تھی۔ ریوالور دونوں کے ہاتھوں میں تھے۔

لمبے آدمی کا ساتھی عابد کی لاش پر جھک کر اس کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ لمبا آدمی کسی شکاری کتے کی طرح چوکنا تھا۔ اس کی توجہ خاص طور سے اندرونی دروازے کی طرف مبذول تھی۔

تلاشی لے کر وہ آدمی سیدھا کھڑا ہو گیا اور پریشان سے لہجے میں بولا۔ ''نہیں ہے۔''

''تو پھر اب ہمیں اس دوسرے آدمی کی فکر کرنا چاہیے۔''

''مجھے شبہ ہے کہ اب وہ بنگلے میں نہیں ہوگا، کسی پچھلے راستے سے باہر نکل چکا ہوگا۔''

دفعتاً وہ دونوں ہی اچھل پڑے۔ باہر سے ایسی آواز آئی تھی جیسے کسی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا گیا ہو۔

''دیکھو شاید وہی بھاگ رہا ہے۔'' لمبا آدمی چیخا۔

وہ دونوں بے تحاشا دوڑتے ہوئے کمرے سے نکلے۔

عابد جس کار میں وہاں پہنچا تھا، وہ فراٹے بھرتی ہوئی نکلی جا رہی تھی۔ اس کار پر دو فائر ہوئے مگر دونوں ہی نے نشانہ خطا کیا تھا۔

لمبا آدمی اور اس کا ساتھی اپنی گاڑی کی طرف جھپٹے جو کچھ ہی فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بڑی تیزی سے گاڑی کے دروازے کھول کر اندر بیٹھے۔ انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے لمبا آدمی بڑبڑایا۔

''وہ ہم سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔''

گاڑی حرکت میں آئی، اور پھر بے تحاشا جھٹکے کھانے لگی۔ لمبے آدمی نے بوکھلا کر بریک لگا دیے۔

''کیا ہوا؟''

''ٹائروں میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔'' لمبا آدمی یہ کہتا ہوا دروازہ کھول کر نیچے اترا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرا بھی اترا اور پھر جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ ایسا ہی تھا کہ وہ دانت پیسنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے۔ اگلے دونوں ٹائر برسٹ تھے۔

لمبے آدمی کے منہ سے گندی گندی گالیوں کا فوارہ ابل پڑا لیکن اس کا ساتھی جلدی سے پھر کار میں بیٹھ گیا اور ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک مائک نکال کر منہ کے قریب لے گیا۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر کے اس نے کہنا شروع کیا۔ ''ہیلو ۔۔۔ ہیلو وان ہیکڈی کالنگ، وان ہیکڈی کالنگ ....! ہیلو ۔۔۔ ہیلو۔''

''یس۔'' ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

وان ہیکڈی نے جلدی جلدی صورت حال کی رپورٹ دیتے ہوئے کہا۔ ''اور اب ہم اس کا تعاقب جاری نہیں رکھ سکتے۔ وہ کم بخت جاتے جاتے ہماری گاڑی کے دو ٹائر کاٹ گیا ہے۔''

ٹرانسمیٹر پر غراہٹ سی سنائی دی پھر کہا گیا۔ ''وہ کدھر بھاگا ہے؟''

''ہمارے سامنے اس کی گاڑی چیتل روڈ کی طرف گئی ہے۔''

میجر پرمود نے عقب نما آئینے میں دیکھا کہ سڑک پر بہت دور تک کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ دشمن اس کا تعاقب کرنے سے قاصر رہا تھا، قاصر کیوں نہ رہتا جب کہ پرمود نے اس کی گاڑی کے دو ٹائر کاٹ ڈالے تھے! یہ کام اس کے تیز دھار والے شکاری چاقو نے کیا تھا۔

چونکہ وہاں اور کوئی گاڑی نہیں تھی اس لیے پرمود نے اندازہ لگایا تھا کہ دشمن اسی گاڑی میں آئے ہوں گے۔

اب تعاقب میں کوئی گاڑی نہیں نظر آئی تو اسے یقین ہو گیا کہ اس نے جس گاڑی کے ٹائر کاٹے

تھے وہ دشمنوں ہی کی تھی۔

دوسری گاڑی عابد کی تھی اور پرمود اسے پہچانتا تھا لہٰذا اسے لے اڑا۔

لیکن اس کی یہ الجھن اب بھی قائم تھی کہ وہ کس سے بچ کر بھاگ رہا ہے۔ وہ دشمن کی شخصیت سے بے خبر تھا۔ وہ شخصیت مون لینڈ انٹیلی جنس کے کارکنوں کی بھی ہو سکتی تھی اور کسی غیر ملک کے جاسوسوں کی بھی۔

کار چیتل روڈ سے ایک اور سڑک پر مڑ گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد شہری حدود سے نکل جائے۔

اگر دشمنوں کا تعلق انٹیلی جنس سے تھا تو ان کی کار میں ٹرانسمیٹر یا وائرلیس موجود ہونا چاہیے تھا۔ ایسی صورت میں وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو صورت حال سے آگاہ کر سکتے تھے، اور پھر اس بات کی کوشش کر سکتے تھے کہ جلد از جلد شہر کی ناکہ بندی ہو جائے۔

ہائی وے نمبر اڑتالیس تک پہنچنے میں پرمود کو بیس منٹ لگے۔ ابھی تک تو خیریت ہی رہی تھی لیکن پرمود اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ خطرات اب بھی سامنے آ سکتے تھے، خطرات جن کا موت ہی کی طرح کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔

گو کہ خطرات سے کھیلنا پرمود کی فطرت تھی لیکن اس وقت ایسے اس انگشتری کا خیال تھا جو عابد سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ اس انگشتری کی اہمیت سے واقف نہیں تھا لیکن بہرحال اب یہ اس کی ذمے داری تھی کہ وہ اسے شالمی گڑھ پہنچا دیتا۔ محض اس انگشتری ہی کی وجہ سے وہ اس وقت خطرات سے دامن بچانا چاہتا تھا۔

عابد کی جان محض اس انگشتری کی وجہ سے گئی تھی اس لیے اس کی بے پناہ اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ہائی وے پر کوئی چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد، اچانک پرمود کے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے جسم میں شرارے دوڑنے لگے۔

بارش کا زور اس وقت کچھ ٹوٹ گیا تھا اور کار کی ہیڈ لائیٹس کافی دور تک کام کرنے لگی تھیں لیکن اگر وہ کام نہ کرتیں تب بھی پرمود کو وہ دونوں سپاہی نظر آ ہی جاتے جو سڑک کے وسط میں کھڑے ہوئے ٹارچ کی روشنی سے اسے رکنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ طوفانی رات میں اس ویران سڑک پر کھڑے ہوئے وہ دونوں سپاہی لمبے لمبے ربن کوٹ پہنے ہوئے کسی دوسری دنیا کی مخلوق معلوم ہو رہے تھے۔ پولس کار سڑک پر کنارے کر کے کھڑی کی گئی تھی۔

آخر کار وہ خطرہ سامنے آ چکا تھا جس کی طرف سے پرمود کو تشویش لاحق تھی۔ بجلی چمکی تو پولیس کار میں بھی کوئی شخص بیٹھا نظر آیا۔ غالباً وہ سارجنٹ تھا۔

پرمود نے اپنا ریوالور نکالتے ہوئے کار کی رفتار کم کر دی۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے! آنکھوں کی وحشیانہ چمک اس کے خطرناک ارادوں کو صاف ظاہر کر رہی تھی لیکن وہ اس بات پر متعجب بھی تھا کہ اسے روکنے کے لیے صرف دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ کسی فرار ہونے والے آدمی کو روکنے کے لیے یہ طریقہ بڑا ہی غیر فطری بلکہ مضحکہ خیز تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پولیس کار سڑک پر اس طرح کھڑی کی جاتی کہ راستہ ہی رک جاتا۔

بہرحال پرمود کو اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے وقت نہیں مل سکا۔ آدھے منٹ کے اندر اندر اس کی گاڑی سپاہیوں کے قریب پہنچ گئی تھی۔

ان لوگوں کو پرمود کے رک جانے کا یقین ہو گیا ہو گا لیکن اچانک پرمود نے بریک سے پیر ہٹا کر ایکسیلریٹر پر رکھا اور ایک دم ہی کافی دباؤ ڈال دیا۔ گاڑی کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح سنسناتی ہوئی آگے بڑھی۔ اگر وہ دونوں سپاہی اچھل اچھل کر الگ نہ ہٹ گئے ہوتے تو وہ انہیں کچلتی ہوئی گزر جاتی۔

اسی لمحے ایک فائر کی آواز بھی گونجی اور پولیس کار کا ایک ٹائر دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔

پرمود نے ریوالور واپس اپنی جیب میں رکھ کر اسٹیرنگ کو دونوں ہاتھوں سے سنبھال لیا کیونکہ اس

وقت گاڑی کی رفتار اسی میل سے کم نہیں تھی۔

عقب سے کئی فائر ہوئے لیکن پرمود کی گاڑی ان کی زد سے نکل چکی تھی۔ پرمود کو یقین تھا کہ پولیس کار کے وائرلیس پر دوسری پولیس کاروں کو خبردار کر دیا گیا ہوگا جو شاید اسی سڑک پر آگے کسی جگہ موجود ہوں گی۔

سڑک کے دائیں بائیں کچھ دور تک نشیب تھا اور پھر پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اگر ان پہاڑیوں کے بجائے میدانی علاقہ ہوتا تو پرمود نے سڑک چھوڑ کر گاڑی اسی طرف اتار دی ہوتی لیکن اب وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ سڑک ہی پر سیدھا چلتا رہے یا واپس ہو جائے۔ خطرہ اس کی دانست میں آگے بھی تھا اور عقب میں بھی لہٰذا اس نے آگے ہی بڑھتے رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

صورت حال چونکہ بہرحال خطرناک تھی اس لیے وہ ایک عجیب سی لذت محسوس کر رہا تھا۔ ایک ایسی لذت جو شاید دنیا کا کوئی اور انسان ایسے موقع پر محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس معاملے میں پرمود کی فطرت عجیب و غریب ہی تھی اور شاید ماہرین نفسیات کے لیے ایک چیلنج! گاڑی کی ہیڈ لائیٹس برق رفتاری سے اندھیرے کا سینہ چیرتی رہیں۔ رفتار اسی میل سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

اچانک پرمود کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں ہزاروں چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں۔ وہ خطرہ قطعی غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی ایک ایسے الیکٹرک پول پر پڑی تھی جو اپنی جگہ سے اکھڑ کر سڑک پر اس طرح گرا تھا کہ راہ مسدود ہو گئی تھی۔

پرمود نے جب اسے دیکھا تو فاصلہ بہت کم تھا اور گاڑی کی رفتار اسی میل سے کم نہیں تھی۔ اس رفتار سے الیکٹرک پول سے ٹکرانے پر بڑا خوف ناک حادثہ ہوتا۔ ممکن ہی نہیں تھا کہ پرمود کی جان بچ جاتی۔

اس سناٹے میں بریک لگنے کی آواز بہت دور تک پھیلتی چلی گئی۔ اس وقت پرمود کو اپنی ڈرائیونگ کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑا تھا۔ اگر اس کی جگہ کوئی کمتر صلاحیتوں کا مالک ہوتا تو گاڑی یقینی طور پر کسی طرف کے نشیب میں لڑھک جاتی کیونکہ بریک لگنے کی وجہ سے گیلی سڑک پر پہیے بری طرح پھسلے تھے۔

لیکن اپنی ڈرائیونگ کی صلاحیتوں پر انتہائی اعتماد ہونے کے باوجود بھی پرمود کو یقین نہیں تھا کہ گاڑی الیکٹرک پول سے ٹکرائے بغیر رک سکے گی۔ یہ سب کچھ چند ثانیوں میں ہوا۔

اور پھر گاڑی الیکٹرک پول سے ٹکرا گئی۔ ایک زبردست جھٹکا لگا اور چند ثانیوں کے لیے پرمود کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔

یہ بہت بڑی بات تھی کہ پرمود نے گاڑی کو ایک خوف ناک حادثے سے بچا لیا تھا۔ ٹکراؤ کے وقت گاڑی کی رفتار بہت کم ہو چکی تھی لیکن اگر نہ ہوتی تو پرمود یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ٹکراؤ سے پہلے ہی وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نشیب میں چھلانگ لگا دے گا۔

رفتار غیر متوقع طور پر بہت کم ہو گئی تھی اس لیے پرمود نے سوچا تھا کہ نشیب میں گر کر چوٹیں کھانے سے بہتر یہ ہے کہ اس جھٹکے کو برداشت کر لے جو الیکٹرک پول سے ٹکراؤ کے باعث لگتا۔

گاڑی رک چکی تھی اور اس کا انجن خود ہی بند ہو گیا تھا۔ ہیڈ لائیٹس چور چور ہو گئی تھیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا، مہیب اندھیرا۔

دس منٹ بعد میجر پرمود بائیں طرف کے نشیب میں اترتا چلا گیا۔ نشیب طے کر کے اس نے ایک مرتبہ پلٹ کر سڑک کی طرف دیکھا جو بدستور دور تک ویران پڑی تھی۔

پھر وہ آگے بڑھا اور پہاڑی علاقے کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا۔ وہ بھول بھلیاں ہی تھیں۔ اونچے نیچے راستوں میں مراحل زیست کے سے پیچ و خم تھے۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں مڑنا پڑ رہا تھا۔ بارش سے پیدا شدہ پھسلن کی وجہ سے قدم بہت سنبھل

کرا ٹھانا پڑ رہے تھے۔

وہ چلتا رہا اور سوچتا رہا کہ زندگی کی زنجیر کی بیشتر کڑیاں قطعی غیر متوقع ہوتی ہیں۔ انسان سوچتا کچھ ہے، ہوتا کچھ ہے۔ اسے اپنے پروگرام کے مطابق اگلی صبح فارگل سے روانہ ہو کر سرحد کے ایک قریبی گاؤں میں پہنچنا تھا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک بلگارنوی ایجنٹ ریحان سے ہوتی اور وہ ریحان ہی کے تعاون سے مون لینڈ کی سرحد پار کر کے زارنیکا کی حدود میں داخل ہوتا لیکن حالات نے قطعی غیر متوقع طور پر ایک سنسنی خیز کروٹ لی اور پرمود کو اسی رات فارگل چھوڑنا پڑ گیا۔ اب وہ نہیں جانتا تھا کہ ریحان تک پہنچ سکے گا یا نہیں! وہ علاقہ اس کا جانا پہچانا ہوتا تو دوسری بات تھی لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس راستے پر چل کر اس گاؤں تک پہنچ سکے گا جہاں ریحان سے ملاقات ہونی۔

اگر وہ اگلی صبح فارگل سے روانہ ہوتا تو نقشے کی مدد سے اس گاؤں تک پہنچ جاتا لیکن اس وقت اس کی جیب میں نقشہ نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تو وہ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکتا کیونکہ اسے یہی نہیں معلوم تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔

ویسے اب وہ ریحان کے بارے میں سوچ بھی نہیں رہا تھا۔ اس کی فکر اب اس راہ پر چل رہی تھی کہ وہ خود کس طرح سرحد پار کر سکے گا! اب کامیابی کا سارا دارومدار خود اس کی صلاحیتوں پر تھا اور اسے اپنی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد بھی تھا۔

گو کہ اس کے پاس پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اور کھانے کا سامان بھی نہیں تھا لیکن اسے اس کی بھی پروا نہیں تھی۔ کچھ کھائے پیے بغیر وہ دو دن تو آسانی سے گزار سکتا تھا۔ ویسے اسے کسی گاؤں تک پہنچنے کی توقع بھی تھی جہاں سے وہ کھانے پینے کی چیزوں کا بندوبست کر سکتا تھا۔ اس کے پرس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔

وہ تاریک اور مہیب رات اس طرح گزری کہ چلتے چلتے پرمود کی پنڈلیاں درد کرنے لگیں۔ پہاڑی علاقے کے اونچے نیچے راستے پر چلنا آسان نہیں ہوتا۔

صبح ہوئی لیکن دھوپ کا نام و نشان نہ تھا۔ بادلوں کی دبیز نقاب سے سورج کی ایک کرن بھی باہر نہیں آ سکتی تھی۔

پہاڑی علاقہ کافی پیچھے رہ گیا تھا مگر پرمود کئی گھنٹے مسلسل چلنے کے باوجود بھی کسی گاؤں تک نہیں پہنچ سکا تھا پھر بھی وہ مایوس نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اسی دن کسی نہ کسی گاؤں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی جائے گا۔ دوبارہ سفر جاری کرنے سے پہلے وہ دو تین گھنٹے کی نیند لے لینا چاہتا تھا تاکہ دوبارہ کسی خطرناک صورت حال سے دوچار ہونے پر اس کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تازہ دم ہو۔

کچھ فاصلے پر اسے گھنی جھاڑیاں نظر آئیں جو کئی مربع گز میں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دو تین گھنٹے محفوظ رہ کر گزارنے کے لیے ان جھاڑیوں سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ چند لمحے بعد ہی وہ جیب سے ایک تیز دھار شکاری چاقو نکال کر جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

جھاڑیاں خار دار نہیں تھیں ورنہ کافی دشواری پیش آتی۔

بیس منٹ میں اس نے درمیانی حصے کی اتنی جھاڑیاں کاٹ دیں کہ آرام سے لیٹ سکے۔ اس نے کاٹی ہوئی جھاڑیاں ترتیب سے زمین پر بچھا دیں اور ان پر لیٹ کر خود بخود ہنس پڑا۔ وہ ہنسی اسے اپنی مضحکہ خیز حالت پر آئی تھی لیکن بہرحال وہاں کسی کی نظر اس پر نہیں پڑ سکتی تھی۔ گھنی جھاڑیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

پرمود نے سونے سے پہلے سگریٹ سلگائی اور سلگاتے وقت اس کی نظر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی ہوئی انگشتری پر پڑی۔

یہ وہی انگشتری تھی جو اسے عابد سے ملی تھی۔ پرمود نے اسے دن کی روشنی میں پہلی مرتبہ غور سے دیکھا۔ انگوٹھی سونے کی تھی اور اس کی چمک سے

صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بالکل نئی ہے۔ اس میں لگے ہوئے بڑے سے ہیرے کی ساخت پر مود کو عجیب معلوم ہوئی۔ اس نے کسی انگشتری میں اتنا بڑا ہیرا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس نے انگشتری اپنی انگلی سے نکالی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا لیکن اسے کوئی عجیب بات نہیں نظر آئی بجز اس کے کہ وہ ہیرا اپنی تراش کے اعتبار سے بذات خود ہی عجیب تھا۔

سگریٹ ختم ہونے تک پر مود اسے بغور دیکھتا رہا اور پھر دوبارہ انگلی میں ڈال کر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ لیے اور آنکھیں بند کر لیں۔

پر مود نے جاگنے کے بعد گھڑی پر نظر ڈالی۔ نو بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ گویا وہ تقریباً سوا دو گھنٹے سو سکا تھا۔ پر مود جھاڑیوں سے نکل کر درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف بڑھا۔

آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور بارش کے دوبارہ شروع ہونے کے آثار بھی پیدا ہو چلے تھے کیونکہ ہوا بند تھی۔

ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تو پر مود نے ذرا تیزی سے قدم اٹھائے اور درختوں کے جھنڈ کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ کچھ فاصلے پر آبادی نظر آ رہی تھی۔ غالباً وہ کوئی گاؤں ہی تھا لیکن اس کی آبادی اچھی خاصی معلوم ہوتی تھی۔ پر مود وہیں رک کر چند ثانیوں تک کچھ سوچتا رہا، پھر دوبارہ قدم اٹھانا شروع کیے۔

گاؤں میں چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ بچے کھیل کود میں مصروف تھے۔ لڑکیوں کے ایک گروپ نے اونچے سے ایک درخت میں جھولا ڈال رکھا تھا۔ چند بوڑھے ایک جگہ کھڑے اس طرح باتیں کر رہے تھے جیسے کسی اہم موضوع پر بحث کر رہے ہوں۔

پر مود آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ وہ بوڑھے اسے شک بھری نظروں سے گھورنے لگے تھے۔ غالباً ان کے شک کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ انہیں ایک اجنبی چہرہ نظر آیا تھا۔

پر مود سوچنے لگا کہ اگر کسی نے اس کا راستہ روک کر اس سے یہ سوال کر لیا کہ وہ کون ہے تو وہ کیا جواب دے گا۔ بات بنانے کے لیے یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ گاؤں میں کسی کا مہمان ہے لیکن اپنے میزبان کا نام اس کے فرشتے بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ وہ وہاں کسی کو جانتا ہی نہیں تھا۔

اچانک اس کی نظر گاؤں کے مشرقی سرے پر بنے ہوئے گرجا گھر کے اونچے سے گھڑیال پر پڑی۔ پر مود کے ذہن میں یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ اگر اس سے میزبان کے بارے میں بھی استفسار کیا گیا تو وہ گرجا گھر کے پادری کا حوالہ دے گا۔ اس حوالے میں فائدہ یہ تھا کہ اسے کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس "فادر" کہہ دینا کافی ہوتا۔ اس طرح کم از کم وقتی طور پر تو جان بچ ہی جاتی۔

ایک جگہ سرائے دیکھ کر اس کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے۔ مگر ان چوہوں کا علاج کرنے سے پہلے وہ اس دن کا اخبار دیکھنا چاہتا تھا۔ اس بات کے امکانات بہرحال تھے کہ اخبار میں اس کے متعلق کوئی خبر چھپی ہو۔

ایک جگہ اخبار کی دکان نظر آ ہی گئی۔ پر مود نے وہاں سے ایک اخبار خریدا اور یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اخبار فروش بھی اسے گھور تا رہ گیا تھا۔

"پر مود صاحب!" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "اس گاؤں میں تمہاری شامت ضرور آئے گی لہٰذا چوکنا رہو۔"

وہ اخبار کی سرخیوں پر نظر دوڑاتا ہوا سرائے کی طرف چل پڑا۔ وہ یہ پروگرام طے کر چکا تھا کہ سرائے میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کر اس گاؤں سے فوراً روانہ ہو جائے گا لیکن روانگی سے پہلے یہ معلوم کرنا بھی ضروری تھا کہ وہ گاؤں کس جگہ واقع ہے اور زانیکا کی سرحد سے کتنے فاصلے پر ہے! یہ معلوم کرنے کا طریقہ کیا ہوگا، اس کے بارے میں پر مود نے ابھی کچھ نہیں سوچا تھا۔

دفعتاً اس کی نظر اخبار کی ایک ایسی سرخی پر پڑی

جس کی اسے تلاش تھی۔ اس نے جلدی جلدی ساری خبر پڑھ ڈالی اور پھر بے اختیار ایک ٹھنڈا سانس لے کر رہ گیا۔

خبر سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ گزشتہ رات اس نے محض اپنی حماقت سے حالات کو ایک ایسے موڑ پر پہنچا دیا تھا کہ اتنی پریشانیاں اٹھانا پڑیں اور اب یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان پریشانیوں کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔

خبر کے مطابق گزشتہ رات کی طوفانی بارش سے ہائی وے نمبر اڑتالیس کا ایک الیکٹرک پول سڑک پر اس طرح گرا تھا کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔ اس کی اطلاع کسی آدمی نے محکمہ پولیس کو دی تھی چنانچہ ایک پولیس کار کو فوراً ہی وہاں بھیج دیا گیا تھا۔ موقع کا جائزہ لینے کے بعد پولیس کار کے وائرلیس پر ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ دی گئی تھی اور وہاں سے حکم ملا تھا کہ وہ پولیس کار ہائی وے نمبر اڑتالیس کے آغاز پر کھڑی ہو جائے اور کسی گاڑی کو اس طرف نہ جانے دے۔

یہ حکم حفظ ماتقدم کے طور پر تھا تاکہ کوئی حادثہ نہ ہو سکے۔

وہ پولیس کار اس الیکٹرک پول سے واپس ہائی وے کے آغاز کی طرف روانہ ہوئی لیکن جب چار پانچ میل کا فاصلہ باقی رہ گیا تو وہ کسی اچانک پیدا شدہ خرابی کی وجہ سے رک گئی۔ اسے دھکیل کر سڑک کے کنارے کھڑا کر دیا گیا اور وائرلیس پر ہیڈ کوارٹر کو اس کی اطلاع دی گئی۔ ہیڈ کوارٹر سے کہا گیا کہ دوسری گاڑی بھیجی جا رہی ہے لیکن دوسری پولیس کار کی آمد سے پہلے ہی ہائی وے پر ایک برق رفتار گاڑی آتی دکھائی دی۔ پولیس کار کے سارجنٹ نے اسے روکنے کے لیے دو سپاہیوں کو سڑک پر کھڑا کر دیا۔ آنے والی گاڑی کی رفتار کم ہوئی لیکن قریب آتے ہی اتنی تیز ہو گئی کہ اس سے بچنے کے لیے دونوں سپاہیوں کو چھلانگیں لگا کر سڑک سے ہٹنا پڑا۔

اسی کار سے کسی نے فائر کر کے پولیس کار کا ٹائر برسٹ کر دیا تھا۔ بعد میں وہ کار الیکٹرک پول سے ٹکراتی ہوئی نظر آئی۔ اتفاق سے زیادہ خوف ناک حادثہ نہیں ہوا تھا۔ پولیس کو یقین تھا کہ اسے چلانے والا زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔

کار خالی تھی۔ وہ آدمی اس میں موجود نہیں تھا اور اب پولیس اس نامعلوم آدمی کی تلاش میں تھی۔ خیال یہ تھا کہ وہ کوئی مجرم ہوگا جو کسی وجہ سے فارگل سے فرار ہو رہا تھا۔

اب پولیس اس مفرور کی تلاش میں ہائی وے نمبر اڑتالیس کے آس پاس کا تمام علاقہ کھنگال رہی تھی۔

میجر پرمود آنے والے خطرے سے بے خبر سرائے میں بیٹھا ہوا جلدی جلدی ناشتا کر رہا تھا لیکن اس دوران میں بھی اس نے ماحول پر بڑی گہری نظر رکھی تھی۔ ابھی ذرا دیر قبل ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا تھا کہ اسے مزید چوکنا رہنے کی ضرورت محسوس ہو گئی تھی۔

سرائے میں داخل ہوتے وقت وہ ایک ادھیڑ عمر کی عورت سے ٹکرا گیا تھا اور اس عورت کے ہاتھ سے سبزی کی چھابی چھوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی۔

''معاف کیجیے گا۔'' پرمود کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''اندھے ہو۔'' چڑچڑی عورت بری طرح بگڑ گئی تھی اور پھر کئی آدمی جمع ہو گئے تھے۔

''میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔''

''تم ہو کون؟'' عورت نے آنکھیں نکال کر کہا تھا۔ ''پہلے کبھی اس گاؤں میں تمہاری شکل نہیں دکھائی دی۔''

''میں یہاں اجنبی ہوں محترمہ! مہمان ہوں کسی کا۔''

''کس کے مہمان ہو؟'' عورت کا پارہ خوامخواہ چڑھتا جا رہا تھا۔

''پادری صاحب کا۔''

''نادر کے۔'' ایک آدمی نے چونک کر کہا تھا۔

''ہاں۔'' پرمود کی آواز بڑی دھیمی تھی۔

بہرحال پھر معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا اور وہ عورت اپنی چھابی اٹھا کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

اب پرمود ناشتا کرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ اسے وہاں سے جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے کیونکہ یہ بات اب پادری کے کانوں تک بھی پہنچ سکتی تھی کہ گاؤں میں کسی اجنبی نے خود کو اس کا مہمان ظاہر کیا ہے۔

پادری کے حوالے سے وقتی طور پر تو پرمود کی جان بچ گئی تھی مگر مستقبل قریب میں خطرات کا امکان بڑھ گیا تھا۔

ناشتا ختم کر کے اس نے سگریٹ جلائی اور ایک گہرا کش لے کر اٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک پرمود کے سارے جسم میں سنسناہٹ سی پھیلتی چلی گئی۔ اس نے کئی پولیس والوں کو سرائے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ بے اختیار اس کا ہاتھ پتلون کی جیب میں پہنچ گیا اور ریوالور کے دستے پر گرفت مضبوط ہو گئی۔

"تم کون ہو؟" پولیس آفیسر نے قریب آ کر اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"میں اس گاؤں میں اجنبی ہوں۔" پرمود نے جواب دیا۔

"تم مون لینڈ کے رہنے والے تو نہیں معلوم ہوتے۔" پولیس آفیسر کے لہجے میں شک و شبے کی جھلکیاں تھیں۔

"آپ کا خیال درست ہے۔" پرمود نے مسکرا کر کہا لیکن ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت اب بھی مضبوط تھی۔

"اس گاؤں میں آمد کی وجہ؟" پولیس آفیسر کے لہجے کی سختی میں اضافہ ہو رہا تھا۔

"میں یہاں مہمان ہوں۔"

"کس کے مہمان ہو؟"

پرمود کو ایک بار پھر پادری صاحب کا حوالہ دینا پڑا جس کے ساتھ ہی پولیس آفیسر کا تنا ہوا چہرہ ڈھیلا پڑ گیا پھر جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں بھی سختی نہیں تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" معاً ایک آواز گونجی۔

پرمود نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ وہ آدمی پادری ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی لمبی سی داڑھی سینے پر لہرا رہی تھی۔

"تم لوگ میرے مہمان کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔" پادری قریب آتا ہوا بولا۔

یہ ایک ایسی ہی بات تھی کہ پرمود ہکا بکا رہ گیا۔

"فادر!" پولیس آفیسر نے احتراماً جھکتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ صاحب آپ کے مہمان ہیں؟"

"ہاں۔" پادری کا جواب تھا۔

پرمود کو اپنی زندگی میں نہ جانے کتنی باتوں پر حیرت ہوئی تھی مگر یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اچھوتا ہی تھا۔

"لیکن تم لوگ میرے مہمان کو کیوں پریشان کر رہے تھے۔" پادری نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی فادر! ہمیں معاف کر دیجیے۔" پولیس آفیسر نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"جاؤ۔" پادری نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور پھر پرمود کی طرف دیکھتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔ "چلو۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

پرمود چکرا کر رہ گیا تھا لیکن اس نے پادری کے پیچھے قدم اٹھانے میں تاخیر نہیں کی تھی۔ وہ پادری بہرحال اس کے لیے فرشتہ رحمت ہی ثابت ہوا تھا لیکن یہ حیرت اپنی جگہ برقرار تھی کہ پادری بروقت وہاں کیسے پہنچ گیا اور کیوں؟

"محترم بزرگ! میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے مجھ سے یہ ہمدردی کیوں کی ہے۔"

"خاموشی سے چلتے رہو۔" پادری آہستہ سے بولا۔

پرمود خاموش ہو گیا۔ وہ پادری سے ایک قدم پیچھے چل رہا تھا۔ اس کی ذہنی الجھن اپنے عروج پر تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے جو جھوٹ گھڑا تھا، وہ تقریباً حقیقت کا روپ دھار لے گا۔

پادری سر جھکائے باوقار انداز میں چلتا ہوا گرجا گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پرمود اگر چاہتا تو اب بڑی آسانی سے بھاگ نکلتا لیکن یہ بات اس کے بس کی نہیں تھی کہ وہ اپنے تجسس کو تھپک تھپک کر سلا سکتا۔ وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ پادری نے اس کے جھوٹ کو سچ کے قریب کیسے پہنچا دیا اور کیوں پہنچا دیا! یہ بات بھی چکرا دینے والی تھی کہ پادری کے قصے سن رکھے تھے جن کو روحانی قوتیں حاصل تھیں۔ تو کیا اس پادری کی روحانی قوت بھی اتنی تھی کہ وہ پرمود کے بارے میں سب کچھ جان لیتا۔ وہ اسی سوچ کے تانے بانے میں الجھا ہوا پادری کے پیچھے چلتا ہوا گرجا گھر میں پہنچ گیا۔

اونچی اونچی دیواروں والے ایک کمرے سے گزر کر پادری نے زینے طے کیے۔ وہ ایک غلام گردش تھی۔ پرمود کو محسوس ہوا کہ وہ گرجا گھر کا مینار تھا۔ کوئی پچاس سیڑھیاں چڑھ کر وہ پادری کے پیچھے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک آدمی بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی صورت بھی پرمود کے لیے اجنبی تھی لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی مون لینڈ کا باشندہ نہیں تھا۔

میجر پرمود اس اجنبی اور مون لینڈ کے باشندوں سے مختلف چہرہ دیکھ کر چونک پڑا۔ گرجا گھر میں ایک ایسے آدمی کی موجودگی معنی خیز تھی جو سوٹ بھی پہنے ہوئے تھا۔

پرمود کو دیکھ کر وہ اجنبی بڑے پرمسرت انداز میں ''ہیلو'' کہتا ہوا آگے بڑھا، اور پھر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

''انسان کی جدوجہد آسمان کو چھو سکتی ہے۔''

پرمود وہ الفاظ سن کر مسکرا پڑا۔ وہ خفیہ الفاظ تھے جن سے ظاہر ہو گیا تھا کہ اجنبی، بلگارنوی ایجنٹ ریحان ہے۔

''لیکن آسمان محض حد نظر کا نام ہے۔'' پرمود نے جوابی خفیہ الفاظ کہے۔

دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا تھا۔

''اچھا فادر، شکریہ۔'' ریحان نے پادری سے کہا۔

اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو، ''اچھا فادر اب آپ تشریف لے جائیے۔''

پادری مشفقانہ انداز میں مسکرایا اور دعا دے کر باوقار انداز میں چلتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔

''میں بے حد حیران ہوں مسٹر ریحان!'' پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی مدھم سی لکیر کپکپا رہی تھی۔

''ہم اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کر سکتے ہیں، تشریف رکھیے۔'' ریحان نے وہاں پڑی ہوئی دو کرسیوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔

پرمود بیٹھ گیا۔

ریحان دروازہ بند کر کے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا پھر بولا۔

''سرائے کے دروازے پر جب آپ اس چڑچڑی عورت سے ٹکرائے تھے تو میں آپ سے کچھ ہی فاصلے پر موجود تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ آپ ہی میجر پرمود ہیں۔ میں آپ کا صورت آشنا نہیں تھا۔ بہرحال پھر میں فوراً ہی ان پادری صاحب کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ یہ جا کر آپ کو سرائے سے یہاں لے آئیں۔ دراصل گاؤں کے دوسرے لوگوں کے سامنے میں آپ سے ملاقات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال یہ پادری صاحب گئے اور آپ کو لے آئے۔ یہ میں ان سے کہہ چکا تھا کہ آپ کو اپنا مہمان ظاہر کریں گے۔''

''گویا سرائے کے دروازے پر جب میں نے اس عورت کو پادری کا حوالہ دیا تھا تو آپ نے میری بات سن لی تھی۔'' پرمود مسکرایا۔

''جی ہاں! میں نے کہا نا کہ اس وقت آپ سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔''

''لیکن یہ پادری صاحب اس کام کے لیے آمادہ کیسے ہو گئے؟''

''ان پادری صاحب کی چند گندی حرکتوں کا ٹھوس ثبوت اگر کسی کے پاس ہے تو صرف میرے

پاس۔"

"خوب! تو گویا آپ نے ان حضرت کو بلیک میل کیا تھا۔"

"اس کے علاوہ کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ دراصل آپ کا اس طرح گاؤں میں پھرنا پریشانیوں کا سبب بھی بن سکتا تھا اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ جلد از جلد کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔"

"آپ کا قیام اسی گاؤں میں ہے؟"

"جی ہاں۔" ریحان نے جواب تو دے دیا لیکن وہ پرمود کو حیرت سے دیکھنے لگا تھا۔

"آپ غلط سمجھے۔" پرمود نے مسکرا کر کہا۔ "میں اس گاؤں تک ارادتاً نہیں پہنچا ہوں۔ اگر میں پروگرام کے مطابق نقشے کی مدد سے راستہ طے کرتا ہوا اس گاؤں تک پہنچتا تو دوسری بات تھی۔ تب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا قیام اسی گاؤں میں ہے لیکن میں تو یہاں حادثاتی طور پر پہنچا ہوں۔ مجھے علم بھی نہیں تھا کہ یہ کون سا گاؤں ہے! آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ پروگرام کے مطابق مجھے یہاں آج رات پہنچنا تھا۔"

ریحان نے پُرخیال انداز میں سر ہلایا، پھر بولا "میں نے آج کے اخبار میں ہائی وے اڑتالیس کے واقعے کی خبر پڑھی تھی۔ کار کے نمبر سے میں یہ جان سکا کہ وہ کار عابد کی تھی۔ میں نے سوچا کہ شاید کسی وجہ سے پروگرام میں تبدیلی ہوگئی ہے اور آپ کل رات ہی یہاں پہنچنا چاہتے ہیں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ نے پولیس کی گاڑی پر فائر کیوں کیا تھا؟"

"حماقت! اور کیا کہوں۔" پرمود نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

"میں یہ سمجھا تھا کہ پولیس وہاں اس لیے متعین ہے کہ میں فارگل سے نہ نکل سکوں۔"

"یہ خیال آپ کو کیوں پیدا ہوا تھا؟"

"جن حالات کے تحت میں کل رات ہی فارگل سے روانگی پر مجبور ہوا تھا، ان کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہو جانا کچھ زیادہ حیرت انگیز بات نہیں۔ کیا آپ کو یہ اطلاع نہیں ملی کہ عابد مارا جا چکا ہے۔"

"ارے! کیسے؟" ریحان اچھل پڑا۔

پرمود نے اسے مختصر طور پر سارا واقعہ بتا دیا۔

ریحان کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عابد میرا بڑا اچھا دوست تھا۔"

"تب پھر آپ کو فخر کرنا چاہیے کہ آپ کے دوست نے فرض کی راہ میں اپنی جان کی قربانی دی ہے۔"

ریحان سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ معاً وہ بڑبڑایا۔ "لیکن وہ لوگ تھے کون؟"

"اب مجھے اس بات کا یقین آ چکا ہے کہ وہ لوگ مون لینڈ کی پولیس یا انٹیلی جنس کے آدمی نہیں تھے۔" پرمود نے کہا۔ "اخبار میں عابد کی موت سے متعلق کوئی خبر موجود نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈھائی تین بجے تک بھی پولیس کو عابد کے قتل کا علم نہیں تھا۔"

"تو پھر وہ لوگ۔۔۔" ریحان پھر بڑبڑایا۔

"یقیناً وہ کسی دوسرے ملک کے ایجنٹ ہوں گے۔" پرمود نے کہا۔ "اور ان کا مقصد اس انگشتری کو حاصل کرنا تھا جو مجھے عابد سے ملی تھی۔"

گاؤں میں داخل ہوتے وقت پرمود نے وہ انگشتری انگلی سے نکال کر جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لی تھی۔ اب اس نے وہ اپنی جیب سے نکالی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا ہوا ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔ "لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ اس انگشتری کی اہمیت کیا ہے؟"

"کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟"

"دیکھیں۔" پرمود نے یہ کہہ کر انگشتری اس کی طرف بڑھا دی اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے ٹانگیں پھیلا کر سگریٹ کا بڑا طویل کش لیا۔

"اس کا ہیرا کچھ عجیب ہے۔" ریحان نے کہا۔

''بس یہی ایک عجیب بات میں نے بھی محسوس کی تھی۔'' ریحان انگشتری کا جائزہ لیتا رہا۔

پرمود بولا۔ ''صورت حال نے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ میں عابد سے اس کی اہمیت معلوم کر سکتا۔''

''گویا یہ بات پردۂ راز میں ہے کہ عابد کو یہ انگشتری کہاں سے ملی تھی اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے غالباً اسی انگشتری کی وجہ سے عابد کی جان لی۔''

پرمود نے آخری کش لے کر سگریٹ جوتے کے تلے سے رگڑ کر بجھا دی کیونکہ وہاں کوئی ایش ٹرے نہیں تھی۔

''وہ ریڈ ایجنٹ بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا تعلق کسی اور ملک سے ہو۔'' پرمود نے اپنے ہاتھ پیچھے لے جا کر دونوں ہتھیلیاں سر کے نیچے رکھتے ہوئے کہا، پھر بولا۔ ''لیکن فی الحال ہمیں اس مسئلے پر الجھنے کے بجائے آئندہ پروگرام کے بارے میں گفتگو کر لینا چاہیے۔''

''اس کی طرف سے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ریحان نے کہا۔ ''آج ہی رات کو آپ مون لینڈ کی حدود سے نکل جائیں گے۔ زارنیکا کی سرحد یہاں سے سولہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہم یہاں سے رات کو بارہ بجے یا اس سے کچھ پہلے روانہ ہوں گے۔ اس وقت تک آپ یہیں آرام کریں۔''

''کوئی دشواری۔۔۔''

''میرا خیال ہے کہ کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔'' ریحان نے کہا۔ ''میں ایسے راستوں سے واقف ہوں کہ ہم سرحد کے نگہبانوں کی نظروں میں ہرگز نہیں آئیں گے۔''

پرمود چند لمحے خاموش رہا، پھر کچھ سوچ کر بولا۔ ''آپ کو ہدایات کہاں سے ملتی ہیں؟''

''مرکز سے۔۔۔''

''یعنی سن گراڈ سے؟''

''جی ہاں! کیونکہ طاقتور ٹرانسمیٹر سن گراڈ ہی میں ہے۔ اسی پر بلگارنوی ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم رہتا ہے۔''

''آپ کے پاس بھی ٹرانسمیٹر ہوگا؟''

''جی نہیں! کیوں؟''

''اگر ہوتا تو مرکز سے رابطہ قائم کر کے اس انگشتری کے بارے میں گفتگو کر لی جاتی۔ مرکز کو ان تفصیلات کا علم ضرور ہوگا لیکن جب آپ کے پاس ٹرانسمیٹر نہیں ہے تو آپ کو ہدایات کیسے ملتی ہیں؟''

''بذریعہ خطوط۔'' ریحان نے جواب دیا۔

''لیکن اگر کوئی جلدی کا کام ہو؟''

''اس صورت میں ٹیلی گرام آتا ہے۔'' ریحان نے کہا۔

یہ پوچھنے کی تو پرمود کو ضرورت ہی نہیں تھی کہ ان خطوط اور ٹیلی گرام میں خفیہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہوں گے۔

ریحان نے پرمود کو بتایا کہ وہ گاؤں کے شمالی سرے پر بنے ہوئے ایک سرخ اینٹوں کے مکان میں رہتا ہے۔ نیز یہ کہ گاؤں کے لوگ اسے ایک صحافی کی حیثیت سے جانتے تھے۔ یہ حقیقت بھی تھی کہ ریحان، سن گراڈ کے ایک اخبار میں کالمسٹ کی حیثیت سے ملازم تھا۔ اس کے کالم دیہاتی زندگی سے متعلق ہوتے تھے۔

اچانک ریحان نے کہا۔ ''آپ کو یقین ہے میجر کہ عابد مر گیا ہوگا۔''

''گولی اس کے سینے پر لگی تھی اور اس نے خود ہی یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ اب چند منٹ کا مہمان ہے۔''

''ہوں۔'' ریحان نے ایک ٹھنڈا سانس لیا، چند لمحے کچھ سوچتا رہا، پھر کھڑا ہو کر بولا۔ ''اچھا میجر! مجھے اب اجازت دیجیے۔ میں جا کر ذرا یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ گاؤں میں آپ کے متعلق کس قسم کی چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے ڈاک خانے بھی جانا ہے۔ شاید کوئی خط وط آیا ہو۔ آپ یہاں بالکل اطمینان سے رہ سکتے ہیں۔ میں پادری سے کہہ جاؤں گا، وہ آپ کے کھانے وغیرہ کا انتظام کر دے گا۔ میں اب یہاں تیسرے پہر کو آؤں گا۔''

''گویا میں یہاں رات تک کے لیے قید ہوں۔'' پرمود نے مسکرا کر کہا۔

جواب میں ریحان بھی مسکرا کر رہ گیا۔

☆☆☆

تیسرے پہر ریحان واپس آیا تو اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے جنہیں پرمود نے فوراً ہی پڑھ لیا اور سمجھ گیا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے۔

''آپ کو کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہوئی میجر!''

''نہیں۔'' پرمود نے جواب دیا۔ ''مجھے دوپہر کو کھانا مل گیا تھا اور میں کئی گھنٹے آرام کر چکا ہوں۔''

ریحان نے پراطمینان انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔

''لیکن آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔'' پرمود پھر بولا۔

''پریشان تو نہیں، ہاں کچھ تشویش ضرور ہو گئی ہے مجھے۔''

''کس سلسلے میں؟''

''گاؤں میں کئی اجنبی وارد ہوئے ہیں۔ ان کا قیام سرائے میں ہے۔ انہوں نے ظاہر یہ کیا ہے کہ وہ تفریحاً آئے ہیں۔''

''اس میں تشویش کی کیا بات ہے۔''

''وہ لوگ گاؤں میں اس قسم کی باتیں کرتے پھر رہے تھے جیسے یہاں کی صورت حال سے باخبر ہونا چاہتے تھے۔ اس طرح انہیں آپ کا بھی پتا چلا، یعنی اس واقعے کا جو سرائے میں پیش آیا تھا۔''

''ظاہر ہے کہ جب وہ گاؤں کے لوگوں سے باتیں کریں گے تو انہیں اس بات کا علم ہو ہی جائے گا۔ مجھے تو اس میں تشویش کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔''

''تشویش کا پہلو یہ ہے کہ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے قبل ان میں سے ایک کو اس گرجا گھر کے قرب و جوار میں منڈلاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔''

''اوہ۔۔۔!'' پرمود غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ریحان نے کہا۔ ''گو کہ اس بات سے بھی تشویش کا کوئی واضح پہلو سامنے نہیں آتا مگر نہ جانے کیوں میں نے انہیں جب سے دیکھا ہے میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔''

''ان لوگوں کا حلیہ کیا ہے؟''

''وہ سیاہ فام ہیں۔''

''یعنی اپنی طرف کے باشندے۔''

''جی نہیں! سیاہ فام سے میری مراد واقعی سیاہ فام ہے۔''

''گویا وہ مشرقی براعظم کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔''

''معلوم نہیں ہوتے بلکہ واقعی ہیں۔ باریک گھنگھریلے بال اور موٹے موٹے ہونٹوں والے سیاہ فام باشندوں کا تعلق مشرقی براعظم ہی کے کسی ملک سے ہو سکتا ہے۔''

''ہوں۔'' سوچ میں ڈوب کر پرمود کی آنکھیں نیم باز ہو گئیں۔

''اگر وہ مون لینڈ کے باشندے ہوتے تو یہ سوچا جا سکتا تھا کہ وہ انٹیلی جنس کے آدمی ہوں گے اور آپ کی تلاش میں یہاں تک پہنچے ہوں گے لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور معلوم ہوتا ہے۔''

''ہوں۔'' پرمود نے سر ہلایا۔

ریحان نے پوچھا۔ ''کیا وہ لوگ بھی سیاہ فام تھے جو عابد کی موت کا باعث ہوئے۔''

''میں اندھیرے کی وجہ سے ان لوگوں کو نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''عابد کی موت کی تصدیق ہو گئی ہے۔'' ریحان نے بتایا۔

''کیسے۔'' پرمود نے چونک کر پوچھا۔

''شام کے اخبار میں سے اس کی خبر۔'' ریحان نے بتایا۔ ''صبح نو بجے محکمہ بجلی کا ملازم میٹر دیکھنے کے لیے وہاں پہنچا تھا تو کھلے ہوئے دروازے سے اسے عابد کی لاش نظر آئی تھی اور اس نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ پولیس نے موقع واردات کا جائزہ لے کر اندازہ

لگالیا کہ رات کو وہاں کافی فائرنگ ہوئی تھی۔ عابد کی جیب میں پڑے ہوئے وزیٹنگ کارڈز سے اس کا گھر بھی معلوم ہو گیا۔ دوسری طرف پولیس نے کار کے نمبروں سے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ اس کا مالک عابد ہے چنانچہ اب یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ آپ ہی کسی وجہ سے عابد کو گولی مار کر وہاں سے فرار ہو رہے تھے کہ ہائی وے نمبر اڑتالیس پر ایک پولیس کار نے آپ کو روکنا چاہا تو اس کا ٹائر بھی برسٹ کر کے بھاگ نکلے۔

''ٹھیک ہے۔'' پرمود نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال جو حالات پولیس کے سامنے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے وہ لوگ اس کے سوا کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکتے تھے۔''

''بہر حال اب پولیس نے آپ کو تلاش کرنے کے لیے پہلے سے زیادہ سرگرمی دکھانا شروع کر دی ہے۔''

''خیر وہ تو دیکھا جائے گا۔ آپ مجھے ان سیاہ فام آدمیوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔''

''جو کچھ بتانا تھا وہ بتا چکا۔ ان کے بارے میں کوئی اور بات مجھے نہیں معلوم۔''

''ہوں۔'' پرمود کچھ سوچنے لگا۔

''شاید یہ وہی لوگ ہوں جو عابد کی موت کا باعث ہوئے۔''

''لیکن مشرقی براعظم کا کون سا ایسا ملک ہے جس کے آدمیوں سے ہمارا ٹکراؤ ہو سکتا ہے۔'' پرمود بڑبڑایا۔

''فی الحال تو وہاں کا کوئی بھی ملک ہمارا حریف نہیں ہے۔''

''میں فیوزرلینڈ کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔''

''کیوں۔'' ریحان چونک پڑا۔

''فیوزر لینڈ کی نیت مجھے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے وزیر خارجہ نے مون لینڈ میں ہونے والی کانفرنس سے اچانک ہی قطع تعلق کر لیا تھا۔ مجھے شبہ ہے کہ جو خوفناک جنگ اس وقت چھڑی ہوئی ہے اس میں فیوزرلینڈ عنقریب ہی کوئی اہم رول ادا کرنے والا ہے۔''

''کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ ہمارے خلاف جائے گا۔'' ریحان نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے یہی گمان ہو رہا ہے۔''

''مگر کیوں، کوئی وجہ تو ہوگی۔''

''بس چھٹی حس کا اعلان سمجھ لیجیے۔''

ریحان خاموشی سے پرمود کا منہ تکتا رہ گیا۔

''موسم کیسا ہے اب۔'' پرمود نے پوچھا۔

''یہاں تو کوئی کھڑکی بھی بیرونی رخ پر نہیں کھلتی کہ میں باہر دیکھ سکوں۔''

''جب میں صبح آپ کے پاس سے گیا تھا تو بوندا باندی ہو رہی تھی لیکن ایک بجے کے قریب بادل چھٹنا شروع ہو گئے تھے۔ اب مطلع بالکل صاف ہو چکا ہے۔''

''گویا آج رات بارش کا امکان نہیں ہے۔''

''اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

☆☆☆

ریحان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ بارش کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شام تک آسمان بڑا نکھرا نکھرا اور صاف رہا تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے کالے کالے بادل چھا گئے تھے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تھی۔ گرج چمک کا ایک طوفان امڈ پڑا تھا۔ پچھلی رات سے اس میں کچھ زیادہ ہی شدت تھی اور وہ شور بے پناہ گرجا کے اندر تک گونج رہا تھا۔

میجر پرمود نے ایک سگریٹ جلائی اور تیلی کے سرے پر لپکتے ہوئے ننھے سے شعلے پر نظر گاڑ کر سوچنے لگا کہ یہ آگ کب بجھے گی۔

جنگ عظیم چھڑے ہوئے بارہ دن گزر چکے تھے۔ تقریباً آدھی دنیا جنگ کے مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آئی ہوئی تھی اور عالمی سیاسی سطح پر یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ باقی دنیا پر بھی ان شعلوں کے کثیف

urduromanticnovels.pk

بادل منڈلا رہے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ بادل کب برس پڑیں گے۔

جو جنگ چھڑ چکی تھی اس کی خبریں پرامن دنیا کے لیے تشویش ناک اور وحشت خیز تھیں۔ ریڈ گلف کسی خوف ناک عفریت کی طرح جنگ پر اپنی گرفت مضبوط کرتا چلا جا رہا تھا۔ بارہ دن کے اندر اندر اس کی فوجیں شارک لینڈ اور میکسکن پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ چکی تھیں۔ اتحادیوں کے دو اہم ساتھی سرنگوں ہو چکے تھے اور ان دونوں بدنصیب ملکوں کے عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔

دوسری طرف جنوبی براعظم کو مسخر کرنے کی خاطر ریڈ گلف کے فوج بردار جہاز راجیشیا اور میڈرش کے سواحل پر لنگر انداز ہو رہے تھے۔ راجیشیا ہی کی طرح میڈرش کی حکومت بھی ریڈ گلف کی پروردہ تھی۔

راجیشیا کے ساحل پر اترنے والی ریڈ گلفین فوجوں نے راجیشیائی فوجوں کے ساتھ مل کر بلگارنیہ کے مقابلے پر محاذ سنبھال لیا تھا اور میڈرش میں اترنے والی ریڈ گلفین فوجیں ٹوہاک کی سرحد پر مورچے لگا رہی تھیں۔

زمین کے علاوہ فضا اور سمندر میں بھی جنگ کی خوف ناک آگ کے بے رحم شعلے انسانی زندگی کو چاٹ رہے تھے اور ریڈ گلف کی قوت اتحادیوں کے قیاس سے زیادہ ثابت ہو رہی تھی۔

جب سے اس جنگ کا آغاز ہوا تھا پرمود پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ عام طور پر خود کو پرسکون ظاہر کرنے اور پرسکون رکھنے کی کوشش کرتا تھا لیکن اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چلتی رہتی تھیں۔ وہ جنگ کی ہولناکیوں کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اور اسے یہ خوش فہمی بھی نہیں تھی کہ بلگارنیہ ریڈ گلف کے مقابلے پر بھی فاتح کی حیثیت برقرار رکھ سکے گا۔

بلگارنیہ نے جنگ میں اپنے سے کافی بڑے ملک راجیشیا کو شکست دی تھی لیکن ریڈ گلف کے مقابلے پر وہ ایک بچے کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مقابلے پر ریڈ گلف کی حیثیت دیوہیکل پہلوان کی سی تھی۔ اب وہ بچہ اپنی خودداری اور آزادی کے لیے سر تو کٹا سکتا تھا لیکن یہ بات ممکن نظر نہیں آتی تھی کہ وہ اس دیوہیکل پہلوان کو چت کر سکے گا۔ اب اس بچے کے لیے پرمود اپنے دل میں بلا کا درد محسوس کر رہا تھا۔ اگر اپنا سر کٹا کر بھی اس بچے کی حفاظت ہو سکتی تو پرمود ہرگز دریغ نہ کرتا۔

اس رات پرمود کی بے چینی کچھ زیادہ ہی تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اڑ کر بلگارنیہ پہنچ جاتا۔ بلگارنیہ جو اس کا وطن تھا، اس کا پیارا وطن جو اس وقت ایک خوف ناک دشمن کی زد پر تھا۔

گیارہ بج گئے اور پھر سوا گیارہ بھی ہو گئے لیکن ریحان نہ آیا اور جب ساڑھے گیارہ بھی ہو گئے تو پرمود کا متفکر ہو جانا فطری امر تھا۔ اسی وقت ریحان دروازہ کھولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر پرمود جھنجلا سا گیا۔

''مسٹر ریحان! ہمارے کاموں میں وقت کی پابندی بڑی ضروری چیز ہوتی ہے۔'' وہ خشک لہجے میں بولا۔

ریحان کے چہرے سے یوں لگا جیسے اسے پرمود کا انداز تخاطب گراں گزرا ہو لیکن اس نے کوئی تلخ جواب دینے کے بجائے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے۔ دراصل اس کم بخت بارش کی وجہ سے انتظامات کرنے میں دیر ہو گئی۔ بس اب ہم فوراً روانہ ہو جائیں گے۔ میں آپ کے لیے ایک رین کوٹ لے آیا ہوں، یہ پہن لیجیے۔''

پندرہ منٹ بعد میجر پرمود اور ریحان گرجا کے عقبی راستے سے نکل رہے تھے۔ وہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو شاید ہی کبھی استعمال ہوتا تھا۔

پادری نے ہاتھ اٹھا کر انہیں دعا دی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

اس طرف جھاڑ جھنکاڑ اور درختوں کی اتنی بہتات تھی کہ چھوٹا موٹا جنگل سا معلوم ہو رہا تھا۔ بارش سے ہر طرف کیچڑ ہو گئی تھی۔

گرجا سے نکلتے ہی وہ دونوں بے حد محتاط نظر آنے لگے۔ ریحان پرمود کو بتا ہی چکا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے بھی دو سیاہ فام آدمی گرجا کے قرب و جوار میں چکر لگاتے نظر آئے تھے۔ سیاہ فاموں کی نظروں سے بچنے کے لیے ان کا محتاط رہنا بے حد ضروری تھا۔ گزشتہ رات کی طرح وہ رات بھی بڑی سیاہ اور خوف ناک تھی۔

طاقت ور انجن کی بھاری بھرکم موٹر سائیکل نیم پختہ راستے پر فراٹے بھرنے لگی۔ غیر ہموار راستہ ہونے کی وجہ سے ریحان اس کی رفتار زیادہ نہیں کر سکا۔ میجر پرمود پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے راستے کا علم نہیں تھا ورنہ وہ خود ہی موٹر سائیکل چلاتا۔

گرج چمک کا اب بھی وہی عالم تھا۔ بارش ایسے طوفانی انداز میں ہو رہی تھی جیسے اب دوبارہ قیامت تک نہیں ہو گی۔ پرمود نے اپنی زندگی میں ایسی خوف ناک بارش نہیں دیکھی تھی لیکن وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس بارش سے فائدہ ہی پہنچے گا۔ ایسی طوفانی رات میں سرحد کے نگہبان بھی محفوظ مقامات پر چھپے ہوں گے۔

چونکہ مون لینڈ اور زارنیکا کے تعلقات خراب نہیں تھے اس لیے اس بات کا امکان نہیں تھا کہ دونوں ملکوں کی باقاعدہ فوج سرحد پر مورچہ بند ہو گی۔ اگر ایسا ہوتا تو سرحد پار کرنا ایک کٹھن مہم ہوتی۔

دفعتاً پرمود بولا۔ ”ہمارا تعاقب شروع ہو چکا ہے مسٹر ریحان!“

”اوہ۔“ ریحان چونکا۔ ”موٹر سائیکل ہے وہ بھی۔“

”نہیں، کار ہے۔“ پرمود نے جواب دیا۔

انجن کی کرخت آواز اور بارش کے شور کی وجہ سے انہیں چیخ چیخ کر بات کرنا پڑ رہی تھی۔

”یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ وہ پولیس ہو گی یا سیاہ فام آدمی۔“ ریحان بڑبڑایا۔

”کیا کہا۔“ پرمود بولا۔

ریحان نے چیخ کر اپنی بات دوہرائی

[illegible] کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔ وہ سیاہ فام آدمی ہوں یا پولیس، ہمیں ان دونوں ہی سے بچنا ہے۔“

”لیکن اگر پولیس ہوئی تو وہ لوگ وائرلیس پر کسی سرحدی چوکی کو ہوشیار کر دیں گے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ پرمود نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔ ”میں نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا تھا۔“

”بہرحال۔“ ریحان نے کہا۔ ”میں نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا ہے کہ کسی چوکی کے پاس سے نہیں گزرنا پڑے گا۔“

پرمود نے مڑ کر دیکھا۔ ہیڈ لائیٹس اب واضح طور پر نظر آنے لگی تھیں۔ وہ ہیڈ لائیٹس کسی کار کی نہیں بلکہ ایک جیپ کی تھیں اور اس جیپ میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمی سیاہ فام تھے۔

”آج میں اسے بچ کر نہیں نکلنے دوں گا۔“ جیپ چلانے والا آدمی رفتار میں اضافہ کرتا ہوا غرایا۔

”لیکن یہ دوسرا کون ہے؟“

”اس کا کوئی ساتھی ہی ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم شاید ہی موٹر سائیکل تک پہنچ سکیں۔“

”کیوں؟“

”وہ موٹر سائیکل ہے جو انتہائی تنگ اور خراب راستوں سے بھی گزر سکتی ہے۔ وہ یقیناً اب ایسے ہی راستے اختیار کریں گے کہ ہماری جیپ ان کا تعاقب جاری نہ رکھ سکے۔“

دوسرے آدمی کا یہ خیال ٹھیک ہی ثابت ہوا۔ موٹر سائیکل راستے سے ہٹ کر بائیں طرف اتر گئی تھی۔ وہ سارا علاقہ اونچے نیچے ٹیلوں، درختوں اور جھاڑ جھنکاڑ سے اٹا پڑا تھا۔

بارش کی شدت میں اب اضافہ ہو گیا تھا۔ بجلی بار بار چمک رہی تھی۔ اس روشنی میں موٹر سائیکل کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا تھا۔

urduromanticnovels.pk

جیپ کو بھی اسی راستے پر ڈال دیا گیا لیکن وہ زمین اتنی زیادہ ناہموار تھی کہ جیپ بری طرح اچھلنے کودنے لگی اور ڈرائیونگ کرنے والے نے گالیاں بکتے ہوئے رفتار میں کمی کردی۔

''بے کار ہے، ہم انہیں نہیں پکڑ سکیں گے۔''

دوسرا آدمی پھر بولا۔ ''یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ سرحد پار کرکے زارنیکا میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ فالگن میں داخل ہوں گے۔''

فالگن، زارنیکا کا سرحدی شہر تھا۔

ڈرائیونگ کرنے والے کے منہ سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن اس نے تعاقب جاری رکھا۔

دوسرا آدمی پھر بولا۔ ''مناسب ہوگا کہ ہم اپنے ان ساتھیوں کو ہوشیار کردیں جو فالگن میں موجود ہیں۔''

ڈرائیونگ کرنے والے نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

دوسرے آدمی نے خود ہی اپنے شانے سے لٹکا ہوا بیگ کھول کر اس میں سے ٹرانسمیٹر نکالا اور کسی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

موٹر سائیکل سے جیپ کا درمیانی فاصلہ بڑھتا ہی جارہا تھا اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ موٹر سائیکل کسی ٹیلے کے عقب میں جاکر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

دوسرے آدمی نے ٹرانسمیٹر پر گفتگو ختم کرکے اسے پھر اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ اس نے اپنے فالگن کے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ ان کا شکار کس راہ سے فالگن میں داخل ہونے والا ہے۔ بجلی اب بھی بار بار چمک رہی تھی لیکن موٹر سائیکل کا کہیں پتا نہیں تھا۔

''بے کار ہے، اب ہمیں لوٹ جانا چاہیے۔'' دوسرا آدمی بولا۔

ٹھیک اسی وقت ایک فائر کی آواز کے ساتھ جیپ کا ایک ٹائر برسٹ ہوگیا۔ ڈرائیونگ کرنے والے کے منہ سے فراٹے کے ساتھ گالیاں نکلنے لگیں لیکن جیپ تو اسے روکنا ہی پڑی تھی۔ دوسرے آدمی نے فوراً ہی اپنی جیب سے ریوالور نکال لیا تھا لیکن فائرنگ شروع نہیں کرسکا۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ جیپ پر کس سمت سے گولی چلائی گئی تھی۔

بارش ہوتی رہی۔ جیپ رک چکی تھی لیکن اس کی طرف کوئی اور فائر نہیں ہوا۔ فائر کرنے والا سامنے نہیں آیا تھا۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ کوئی سرحدی محافظ نہیں ہوگا۔

''پھر وہ کون تھا؟''

اس سوال نے ان دونوں ہی کو چکرا دیا تھا۔ انہوں نے جیپ سے اتر کر جیپ ہی کی آڑ لے لی تھی مگر دوسرا فائر نہیں ہوا۔ ڈرائیونگ کرنے والا زیب لب کچھ بڑبڑاتا رہا۔

اور دوسری طرف وہ موٹر سائیکل زارنیکا کی حدود میں داخل ہوچکی تھی۔ اب اسے میجر پرمود چلا رہا تھا اور پچھلی سیٹ خالی تھی۔

پروگرام کے مطابق ریحان کو سرحد کے قریب پہنچ کر پرمود سے جدا ہونا تھا لیکن اس جیپ کی وجہ سے اس نے سرحد سے ڈیڑھ دو میل دور ہی موٹر سائیکل روک دی تھی اور پرمود سے کہا تھا۔ ''اب آپ جائیے میجر! میں اس جیپ کو یہاں سے آگے نہیں بڑھنے دوں گا، ایک آدھ ٹائر برسٹ کردوں گا اس کا۔''

''اور اس کے بعد۔۔۔؟''

''مجھے واپس گاؤں جانا ہوگا۔''

''پیدل۔۔۔؟''

''جی ہاں! سولہ میل کا فاصلہ ہے، صبح تک تو پہنچ ہی جاؤں گا۔''

☆☆☆

دو بڑی شاہراہیں سرحد کے ویرانوں کو فالگن شہر سے ملاتی تھیں۔ ان دونوں شاہراہوں کا درمیانی فاصلہ کئی میل تھا۔ وہ دونوں بڑی شاہراہیں شاہراہ نمبر ایک اور شاہراہ نمبر دو کہلاتی تھیں۔ شاہراہ نمبر ایک کی دونوں طرف دھان کے کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور دوسری طرف شاہراہ پہاڑی علاقے میں سانپ

کی طرح بل کھاتی چلی جاتی تھی۔

اس رات ان دونوں شاہراہوں پر چند نامعلوم آدمیوں کی پراسرار نقل و حرکت دیکھی جا سکتی تھی۔

دو آدمی دھان کے کھیتوں میں سڑک کے قریب ہی چھپے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ ابھی چند ہی منٹ پہلے ایک کار انہیں وہاں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ اٹھائیسویں سنگ میل پر رک کر اس نے ایک اور آدمی کو بھی اتارا تھا۔ اس آدمی نے بھی سڑک کے قریب دھان کے کھیتوں میں پناہ لی تھی اور ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر اس کے پاس بھی تھا۔

پھر وہ پراسرار کار واپس شہر کی طرف چلی گئی تھی۔

دو آدمیوں کا گروپ چھبیسویں سنگ میل کے قریب تھا۔ ان دونوں نے سگریٹیں جلا لی تھیں اور ان کے سلگتے ہوئے سروں کو ہتھیلیوں کی آڑ میں لیے کش پر کش لگا رہے تھے۔ آسمان پر بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آوارہ پھر رہے تھے اور آسمان پر بجلی چمک رہی تھی۔

"معلوم ہوتا ہے آج رات بھی فارگل میں بہت زوردار بارش ہو رہی ہے۔" ایک آدمی بولا۔

اس کے قریب ہی ایک رائفل رکھی ہوئی تھی۔

دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ میں ایک ٹارچ بھی سنبھال رکھی تھی۔

"اب انہیں آ ہی جانا چاہیے۔" ریوالور والا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔

"ضروری نہیں ہے کہ وہ اسی سڑک سے آئیں۔" رائفل والے نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ریوالور والا اس کی تائید میں بولا۔ "وہ شاہراہ نمبر دو کی طرف بھی جا سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ باس نے اس مکان کو نظر انداز نہیں کیا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں کیا۔ مجھے معلوم ہے کہ وہاں بھی تین آدمیوں کو تعینات کیا گیا ہے۔"

ٹھیک اسی وقت ان کے قریب رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر سے "گھوں گھوں۔" کی مدھم سی آواز نکلی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چھوٹا سا پہیہ برق رفتاری سے گھومنے لگا ہو۔ وہ دونوں چونک پڑے، اور پھر رائفل والے نے ٹرانسمیٹر کو جلدی سے مزید اپنے قریب کرتے ہوئے اس کا کوئی سوئچ گھمایا۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو۔" ٹرانسمیٹر سے آواز ابھرنے لگی۔ "ہیلو اے، بی! ہیلو۔۔۔ سی کالنگ۔"

"بی اٹینڈنگ، اوور۔" رائفل والے نے کہا۔

"وہ موٹر سائیکل ابھی میرے سامنے سے گزری ہے۔ اس کا نمبر وہی ہے جو ہمیں بتایا گیا تھا۔ اسے چلانے والے نے رین کوٹ بھی پہنا ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ اور کوئی نہیں ہے جب کہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ دو آدمی ہیں، اوور۔"

"تمہیں موٹر سائیکل کا نمبر پڑھنے میں کوئی دھوکا تو نہیں ہوا۔ اوور۔"

"ہرگز نہیں، اوور۔"

"اچھا ڈیئر، اوور اینڈ آل۔"

رائفل والے نے رابطہ منقطع کر دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" ریوالور والا بڑبڑایا۔ "دوسرا آدمی کہاں غائب ہو گیا؟"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کہاں غائب ہو گیا! موٹر سائیکل کا نمبر وہی ہے لہٰذا ہمیں اپنا کام کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ اس نے جواب دیتے ہوئے اپنی رائفل سنبھال لی۔"

سڑک پر بہت دور کسی موٹر سائیکل کا ہیڈ لیمپ دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ موٹر سائیکل برق رفتاری سے قریب آتی جا رہی تھی۔

"لیکن۔۔۔" ریوالور والا بڑبڑایا۔ "ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان میں سے ایک کو فوراً ہلاک کر دیں اور دوسرے کو زندہ پکڑیں مگر وہ ایک ہی ہے تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

"اسی کو زندہ پکڑیں گے۔"

"لیکن اگر اسی وقت کوئی فوجی گاڑی ادھر نکل

آئی تو کیا ہوگا؟"

"دیکھا جائے گا۔ اب تم ذرا خاموش رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا نشانہ خطا ہو جائے۔" اس نے رائفل اپنے شانے سے لگالی اور قریب آتی ہوئی موٹر سائیکل کا نشانہ لیا۔

دوسرا آدمی خاموش ہو گیا۔ ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور ٹارچ کا بٹن ہاتھ کی انگلی کے اشارے پر دبنے کے لیے تیار تھا۔ موٹر سائیکل اب کافی قریب آ چکی تھی۔ اس کے انجن کی کرخت آواز سناٹے میں دور تک پھیل رہی تھی۔ رائفل والے نے اس کا نشانہ لے رکھا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار کے ساتھ رائفل کی نال کا زاویہ بھی آہستہ آہستہ بدلتا جا رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ موٹر سائیکل ان کے سامنے سے گزری، سائلنسر لگی ہوئی رائفل نے ایک شعلہ اگل دیا۔ دوسرے ہی ثانیے موٹر سائیکل کا ایک ٹائر دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور موٹر سائیکل اس طرح بہک گئی جیسے اس کی ٹنکی میں بھرا ہوا پیٹرول جادو کے زور سے اچانک تیز قسم کی شراب بن گیا ہو۔ موٹر سائیکل کی رفتار اس وقت بہت تیز تھی اس لیے اس کے گرنے سے سوار بہت بری طرح زخمی ہوتا لیکن موٹر سائیکل کے گرنے سے پہلے ہی یوں معلوم ہوا جیسے اس کی گدی میں لگے ہوئے اسپرنگوں نے اس کے سوار کو اچھال دیا ہو۔ اندھیرے میں وہ ایک تاریک ہیولے کی طرح اڑتا ہوا دوسری طرف کے کھیتوں میں جا گرا۔

موٹر سائیکل ذرا آگے بڑھ کر کھیتوں میں اتر گئی اور ایک منڈیر سے ٹکرا کر گر گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا انجن بھی بند ہو گیا۔

وہ دونوں کھیتوں میں سے نکل کر اس طرف جھپٹے جہاں وہ آدمی گرا تھا۔ ریوالور والے نے ٹارچ جلالی۔ ٹارچ کی روشنی اس آدمی پر پڑی۔

"خبردار، ہینڈز اپ۔" ریوالور والا گرجا۔

لیکن وہ آدمی کسی چھلاوے کی طرح جست لگا کر روشنی کی زد سے نکل گیا اور پھر فوراً ہی اس کی طرف سے ایک فائر بھی ہوا۔ یہ فائر جست لگاتے ہوئے کیا گیا تھا اس لیے نشانہ خطا گیا۔

ان دونوں نے بوکھلا کر پھر کھیتوں میں چھلانگ لگا دی۔ ریوالور والے نے ٹارچ بجھا دی تھی کیونکہ اب اس سے فائدے کے بجائے نقصان ہی پہنچتا، وہ خود ہی نشانہ بن جاتے۔

ویران اور سناٹے میں ڈوبی ہوئی تاریک فضا فائرنگ کی آواز سے مجروح ہونے لگی۔ رائفل والے کا ساتھی جو ریوالور استعمال کر رہا تھا اس میں سائیلنسر لگا ہوا نہیں تھا اور ان کے مدمقابل کی طرف سے چلائی جانے والی گولیاں بھی آواز پیدا کر رہی تھیں۔

"میں یہیں رک کر فائرنگ جاری رکھتا ہوں۔ تم گھوم کر اس کی پشت پر پہنچو۔" ریوالور والے نے کہا۔

رائفل والا فوراً ہی برق رفتاری سے ایک طرف رینگتا چلا گیا۔ فائرنگ جاری رہی۔ پھر جب ہاتھ میں موجود ریوالور خالی ہو گیا تو اس نے جیب میں سے دوسرا بھرا ہوا ریوالور نکال لیا۔ کم بخت بہت چالاک ہے لیکن اسے ابھی اپنی چالاکی کی سزا مل جائے گی۔ ریوالور والے نے سوچا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا رائفل والا ساتھی اس آدمی کے عقب میں پہنچ کر اسے ہاتھ اٹھانے پر مجبور کر دے گا۔ اب تک تو اسے وہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ریوالور والے نے سوچا۔ اسی وقت کسی آدمی کی چیخ سنائی دی۔ ریوالور والے کو یوں لگا جیسے وہ چیخ اس کے ساتھی کی تھی۔ اس نے بوکھلا کر پکارا۔

"ڈمٹارس۔۔۔ڈمٹارس!"

جواب میں مخالف سمت کی تاریکی سے ایک زہریلا اور طنزیہ سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر ایک آواز آئی۔ "ڈمٹارس اگر تمہارے ساتھی کا نام ہے تو یقین کرو دوست کہ وہ دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم بھی اپنا ریوالور پھینک دو اور خود کو

ہمارے حوالے۔۔۔"

ریوالور والے نے دانت پیستے ہوئے پے در پے کئی فائر جھونک دیے۔ جواب میں دوسری طرف سے صرف ایک گولی چلائی گئی اور وہی زہریلا قہقہہ پھر سنائی دیا۔ عجیب قہقہہ تھا وہ! ریوالور والے کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ قہقہہ اس کے اعصاب پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ خوف کی ایک لہر سی اس کے سارے جسم میں دوڑتی چلی گئی۔

دفعتاً ایسی گڑگڑاہٹ سنائی دی جیسے کوئی ٹرک آ رہا ہو۔ ریوالور والے نے چونک کر سڑک کی طرف دیکھا۔ وہ ٹرک ہی تھا اور سرحد کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی تاریک سڑک پر پھیل رہی تھی۔ ریوالور والا گھبرا گیا۔ یہ دھڑکا اسے شروع ہی سے لگا ہوا تھا کہ کوئی فوجی گاڑی نہ آ جائے۔ وہ سڑک فوجی گاڑیوں ہی کی آمد و رفت کے لیے تھی۔ ریوالور والے نے فائرنگ روک دی اور دل ہی دل میں دعا مانگی کہ اس کا مدمقابل بھی فائرنگ بند کر دے۔

فائرنگ بند ہوتے ہی فضا پر سناٹا سا چھا گیا۔ دونوں ہی سمتوں سے گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں لیکن ٹرک والے وہ آوازیں سن ہی چکے تھے۔ غالباً انہوں نے لپکتے ہوئے شعلوں سے فائرنگ کے مقام کا بھی اندازہ لگا لیا تھا۔ ٹرک بالکل ہی قریب آ کر رکا اور ریوالور والے نے فیصلہ کیا کہ اب دوڑ لگانا چاہیے ورنہ پکڑا جائے گا یا مارا جائے گا۔ ٹرک کے پچھلے حصے سے فوجی جوانوں نے باہر کودنا شروع کیا اور ریوالور والے نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔

فوجیوں نے آس پاس کے کھیتوں کو کھنگال ڈالا۔ کئی جگہ خالی کارتوس تو ملے لیکن کسی آدمی کا پتا نہیں چلا۔ ایک جگہ موٹر سائیکل بھی ملی جس کا ٹائر برسٹ تھا اور ایک لاش بھی نظر آئی۔ اتفاق سے کسی فوجی کی نظر اس ٹرانسمیٹر پر نہیں پڑی جو وہیں کھیتوں میں ایک جگہ پڑا ہوا تھا۔ وائرلیس پر اس کی اطلاع ملٹری ہیڈ کوارٹر کو دی گئی اور وہاں سے انہیں یہ حکم ملا کہ وہ ملٹری پولیس کے پہنچنے تک وہیں رکیں۔

آدھے گھنٹے میں ملٹری پولیس وہاں پہنچ گئی۔ ان کے ساتھ ہی ملٹری سیکرٹ سروس کے دو جاسوس بھی تھے۔ ان لوگوں کے پہنچنے کے ذرا دیر بعد ملٹری کا وہ ٹرک وہاں سے روانہ ہوا۔ لیفٹیننٹ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس نے ڈرائیور کے برابر والی سیٹ سنبھال رکھی تھی۔ اٹھارہ فوجی جوان، ٹرک کے پچھلے حصے میں تھے۔

"سر۔" ڈرائیور بولا۔ "یہ ضرور غیر ملکی جاسوسوں کا معاملہ ہے۔ کسی وجہ سے وہ آپس ہی میں ٹکرا گئے ہوں گے، ہمارا ٹرک دیکھ کر بھاگ گئے۔"

لیفٹیننٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹرک تیز رفتاری سے شہر کی طرف بڑھتا رہا لیکن ابھی انہوں نے کوئی چار پانچ میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ انہیں بیچ سڑک پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھا رکھے تھے جیسے ٹرک کو اپنے زور بازو سے روک لینے کا دم خم رکھتا ہو۔ ڈرائیور نے چونک کر لیفٹیننٹ کی طرف دیکھا۔ لیفٹیننٹ کا ہاتھ ریوالور پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے ڈرائیور سے ٹرک روکنے کے لیے کہا اور عقبی حصے کے پارٹیشن کی کھڑکی میں سر ڈال کر اپنے جوانوں کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا۔ ٹرک رکتے ہی راستہ روکنے والا اجنبی، ہاتھ اٹھائے ہوئے قریب آ گیا۔ لیفٹیننٹ نے ٹرک سے اترتے ہوئے اپنے ریوالور کی نال اس کے سینے کی طرف کر دی تھی۔ پچھلے حصے سے فوجی جوان بھی کود کر نیچے آ گئے اور انہوں نے اس اجنبی کو اپنے نرغے میں لے لیا۔

"کون ہو تم؟" لیفٹیننٹ نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"میں تم سے درخواست کروں گا کہ مجھے اپنے ہیڈ کوارٹر لے چلو۔ میں ایڈمرل گائرے سے ملنا چاہتا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

ایڈمرل گائرے کا نام سن کر لیفٹیننٹ چونک پڑا۔

"تم ان سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

boldromanticnovels.pk

''یہ میں کسی اور کو نہیں بتا سکتا۔'' اجنبی نے پورے سکون سے کہا۔

لیفٹیننٹ نے اسے گھور کر دیکھا لیکن اندھیرے کی وجہ سے اجنبی کے نقوش صاف نظر نہیں آ سکتے تھے۔

''اس کی تلاشی لو۔'' لیفٹیننٹ نے حکم دیا۔

''میرے پاس صرف ریوالور ہے۔''

''وہ تمہارے پاس نہیں رہنے دیا جائے گا۔''

''تمہاری مرضی۔'' اجنبی نے لاپروائی سے کہا۔

تلاشی لے کر اسے غیر مسلح کر دیا گیا۔

جب ٹرک وہاں سے دوبارہ روانہ ہوا تو وہ اجنبی اگلی سیٹ پر لیفٹیننٹ اور ڈرائیور کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔

اور وہ اجنبی، میجر پرمود کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ وہ دوسرے دن شام کو سات بجے سے قبل ایڈمرل گائرے سے ملاقات نہیں کر سکا۔

توقع کے مطابق ایڈمرل گائرے کی شخصیت بڑی بھاری بھرکم تھی، چوڑا چکلا سینہ اور قد ساڑھے چھ فٹ کے قریب! اس کا چہرہ سرخ اور پھیلا ہوا تھا۔ اس کی گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں پھولے ہوئے چہرے سے بڑی ہم آہنگ نظر آ رہی تھیں۔ وہ اپنی مکمل وردی میں تھا اور بے حد وجیہہ معلوم ہو رہا تھا۔

پرمود نے اسے فوجی انداز میں سیلیوٹ کیا۔ دو فوجی جوان، پرمود کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور ان کی اسٹین گنیں اسے زد میں لیے ہوئے تھیں۔

ایڈمرل نے سلام کا جواب دیا اور سوالیہ نظر سے پرمود کی طرف دیکھتا رہا۔

''موسم بہار کے پیچھے بے رنگ خزاں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔'' پرمود نے کہا۔

پہلے سے مقرر کیے ہوئے یہ خفیہ الفاظ اس کی شناخت کے لیے تھے۔

ایڈمرل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر کھنچ گئی۔ اس نے ان دونوں فوجیوں کی طرف دیکھا جن کی اسٹین گنیں پرمود کو زد میں لیے ہوئے تھیں۔

''تم دونوں باہر جاؤ اور کمرے کے دروازے پر رکو! کسی اور کو اس وقت اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔'' ایڈمرل نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

دونوں فوجیوں کے جاتے ہی ایڈمرل نے مسکرا کر پھر پرمود کو دیکھا۔

''میجر پرمود؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

''یس سر!'' پرمود نے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' ایڈمرل نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

پرمود نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''زارنیکن ملٹری سیکرٹ کا چیف کافی حلیم و بردبار اور معتدل مزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے حالانکہ سنا یہ گیا تھا کہ وہ بہت سخت آدمی ہے۔ غالباً وہ صرف اپنے محکمہ جاتی کاموں میں سختی سے کام لیتا ہوگا۔''

''مجھے دو دن قبل اطلاع دی گئی تھی کہ تم آ رہے ہو۔'' ایڈمرل نے کہا۔

''لیکن تم شاہراہ نمبر ایک پر اس حالت میں کیوں تھے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس سڑک پر ہونے والے ہنگامے میں غالباً تم بھی شریک تھے۔''

''اندازہ لگانے والوں کا خیال غلط نہیں۔''

''میں پوری کہانی سننا پسند کروں گا۔'' ایڈمرل نے کہا۔

پرمود اپنے ملک کا کوئی راز آشکار نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے انگشتری کا قصہ گول کر گیا اور یہ بات بھی نہیں بتائی کہ وہ فارگل کے اس گاؤں سے کس عالم میں روانہ ہوا تھا! اس نے صرف اتنا بیان کیا کہ زارنیکن حدود میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنی موٹر سائیکل شاہراہ نمبر ایک پر ڈال دی تھی جہاں کسی نے فائر کر کے ایک ٹائر برسٹ کر دیا تھا۔

پرمود نے اسے ہنگامے کی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ''ملٹری کا ٹرک دیکھ کر میرے مخالف نے فائرنگ بند کر دی تھی اس لیے میں نے بھی اپنا ریوالور جیب میں رکھا اور کھیتوں ہی کھیتوں میں چلتا ہوا شہر کی

طرف بڑھنے لگا۔ تقریباً پانچ میل میں نے پیدل ہی طے کیے اور پھر جب ملٹری کا وہ ٹرک دکھائی دیا تو میں نے سوچا کہ زیادہ پیدل چل کر تھکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

ایڈمرل کی پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا تھا۔ گہری سبز آنکھوں میں سوچ بچار کی جھلکیاں تھیں۔ وہ پرمود کے خاموش ہونے پر آہستہ سے بولا۔ ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں ایک ٹرانسمیٹر بھی پایا گیا تھا اور جو لاش ملی تھی اس کے بارے میں اندازہ یہ ہے کہ وہ مشرقی براعظم کے کسی ملک کا باشندہ ہوگا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان لوگوں کو تم سے کیا دشمنی تھی۔''

پرمود لاپروائی سے شانے اچکا کر رہ گیا۔ ایڈمرل کی نظر اس کے چہرے پر جم گئی۔ وہ پرمود کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا لیکن اسے پرمود کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نظر نہیں آیا کہ وہ کسی شبے میں پڑ سکتا۔

پھر میجر پرمود اور ایڈمرل گائرے میں کوئی بیس منٹ تک آئندہ پروگرام کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد ایڈمرل نے اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے انٹرکام پر کسی سے مخاطب ہو کر کہا۔

''کیپٹن فوبس کو میرے کمرے میں بھیج دو۔''

کوئی دو منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجاؤ۔'' ایڈمرل نے بلند آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا اور ان دونوں فوجیوں میں سے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے کیپٹن فوبس کی آنے کی اطلاع دی۔

''اسے آنے دو۔'' ایڈمرل نے کہا۔

چند لمحے بعد جو نوجوان کمرے میں داخل ہوا اس کی عمر اٹھائیس تیس سال کے درمیان معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی تھیں اور نقوش دل آویز تھے۔ وہ بلاشبہ جنس مخالف کے لیے کافی کشش رکھتا تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر ایڈمرل کو سیلیوٹ کیا۔

''کیپٹن فوبس!'' ایڈمرل نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں نے تمہیں آج دوپہر کو جو ہدایات دی تھیں ان پر تم نے کس حد تک عمل کیا۔''

''سب کام ہو چکا ہے سر! ٹرین ساڑھے دس بجے روانہ ہوگی۔ میں فرسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ خرید چکا ہوں۔ سب سامان بھی تیار ہے۔''

''یہ ہیں مسٹر سعید خالد! میں تمہیں ان کے بارے میں بتا چکا ہوں۔'' ایڈمرل نے پرمود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تعارف کی یہ رسم میجر پرمود کے نام سے اس لیے ادا نہیں کی گئی تھی کہ اس بات کو راز میں رکھا گیا تھا۔ ایڈمرل کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ مشہور بلگارنوی ایجنٹ میجر پرمود، مون لینڈ کی سرحد پار کر کے زارنیکا میں داخل ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میجر پرمود اور کیپٹن فوبس دفتر کی عمارت سے نکلے اور ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

اندھیرا پھیل چکا تھا اور ڈرینکرٹ کی کشادہ سڑکیں ہوائی خطرے کے باعث تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ڈرینکرٹ، زارنیکا کا دارالسلطنت تھا۔ پرمود کو فالگن شہر سے ایک چھوٹے طیارے میں ڈرینکرٹ لایا گیا تھا اور اسی رات وہاں سے بھی روانگی ہونا تھی۔ ڈرینکرٹ ایک ایسا شہر تھا جس کے چاروں طرف خشکی ہونے کے باعث وہاں کوئی بندرگاہ نہیں تھی اسی لیے پرمود کو وہاں سے سیگلی جانا تھا۔ یہ خوب صورت شہر ساحل سمندر پر تھا اور وہاں زارنیکا کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی۔ وہیں سے روانہ ہونے والے ایک جہاز میں پرمود کو شمالی گڑھ تک سفر کرنا تھا۔

کار ایک بنگلے کے احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ کیپٹن فوبس میجر پرمود کو لے کر اندر گیا۔ ایک روشن کمرے میں پہنچ کر اس نے پرمود سے کہا۔ ''یہ آپ کا سامان ہے۔'' اس نے کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

پرمود نے وہاں ایک بڑا سوٹ کیس رکھا دیکھا۔

''خوب۔'' پرمود مسکرایا۔

کیپٹن فوبس نے مزید کہا۔ ''اس سوٹ کیس میں آپ ہی کے ناپ کے کپڑے ہیں۔ اب آپ غسل کر کے کپڑے تبدیل کر لیں۔ اتنی دیر میں کھانے کی میز لگ جائے گی۔ دس بجے ہم یہاں سے اسٹیشن روانہ ہوں گے۔''

فوبس چلا گیا تو پرمود نے سوٹ کیس کھول کر اس میں سے کپڑے نکالے اور کمرے سے منسلک غسل خانے میں چلا گیا۔

رات بھر جاگنے اور بھاگ دوڑ کے بعد دن میں بھی سونے کا موقع نہیں ملا تھا اس لیے پرمود کے اعصاب تھکے ہوئے تھے۔ گرم گرم پانی کی بوچھاڑ میں اسے بڑا سکون ملا۔

دن بھر یہ خیال اس کے ذہن میں چکراتا رہا تھا کہ وہ سیاہ فام آدمی کون تھے جنہوں نے شاہراہ نمبر ایک پر اس سے نبرد آزمائی کی تھی۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ جس گاڑی نے مون لینڈ کی حدود میں اس کا اور ریحان کا تعاقب کیا تھا، وہ وہیں رہ گئی۔ اس بات کا امکان نہیں تھا کہ ریحان اس کا ٹائر برسٹ کرنے میں ناکام رہا ہو۔

تو پھر وہ سیاہ فام آدمی ان لوگوں کے ساتھی ہوں گے۔ گویا وہ لوگ کافی منظم تھے۔ ان کا جال مون لینڈ کے علاوہ زارنیکا میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے ٹرانسمیٹر پر زارنیکا میں موجود اپنے ساتھیوں کو اس بات کی اطلاع دی ہوگی کہ وہ سرحد پار کر کے فالگن میں داخل ہونے والا ہے چنانچہ وہ اس کا راستہ روکنے کے لیے شاہراہ نمبر ایک پر پہنچ گئے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ انگشتری بہت ہی اہم ہوگی جس کے لیے وہ لوگ سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ پرمود سوچ رہا تھا کہ جب وہ لوگ اتنے منظم ہیں تو شاید انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ پرمود وہاں پہنچ گیا ہے۔ گویا اس کے لیے خطرات اب بھی تھے اور غالباً اس وقت تک رہتے جب تک وہ اس انگشتری کو شالمی گڑھ نہ پہنچا دیتا۔

☆☆☆

سیٹیاں بجاتی اور شور مچاتی ہوئی ٹرین اسٹیشن طے کرتی رہی اور رات کے اندھیرے میں صبح کی روشنی کا شگاف پڑنے لگا۔ جب میجر پرمود کی آنکھ کھلی تو سات بجے تھے۔ اس نے ہاتھ پیر تان کا انگڑائی لی اور ڈبے کے مسافروں پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر سگریٹ جلانے لگا۔

ڈبے میں اس کے علاوہ چار مسافر اور تھے۔ ایک بڑے میاں اور ایک بڑی بی۔ وہ دونوں میاں بیوی تھے۔ باقی دونوں مسافروں میں سے ایک نوجوان تھا اور طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ چوتھے مسافر کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ وہ کچھ سنکی اور خشک مزاج آدمی تھا۔ وہ چاروں زارنیکا ہی کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔

وہ نوجوان طالب علم ابھی تک سو رہا تھا۔ سنکی مسافر کی آنکھ کھل چکی تھی لیکن وہ ابھی لیٹا ہوا ہی تھا۔ بڑے میاں اور بڑی بی شاید ناشتے سے بھی فارغ ہو چکے تھے اور بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی منزل بھی سیگلی ہی تھی۔ وہاں ان کے دو مکان تھے اور سیگلی جانے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ دونوں مکانوں کو فروخت کر دیں۔

دراصل جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے سیگلی بہت زیادہ خطرے میں پڑ گیا تھا۔ چونکہ وہ زارنیکا کی سب سے بڑی بندرگاہ تھی اس لیے سنا یہ جا رہا تھا کہ ریڈ گلفین بحری بیڑے اس پر دانت لگائے ہوئے ہیں۔ فی الحال تو زارنیکا کے جہازوں نے انہیں سمندر ہی میں روک رکھا تھا لیکن اگر کسی وقت وہ ساحل کے قریب آ جاتی تو سیگلی کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ ایسی صورت میں شاید کوئی بھی سیگلی میں کسی قسم کی جائیداد خریدنے کے لیے تیار نہ ہوتا لیکن وہ دونوں میاں بیوی وہاں اسی امید پر جا رہے تھے۔

باتوں کے دوران میں وہ بڑی بی ریڈ گلف کو برا

بھلا بھی کہتی جا رہی تھیں جس کی وجہ سے تقریباً ساری دنیا کا سکون درہم برہم ہو گیا تھا۔

بڑے میاں کچھ ڈرپوک قسم کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جنگ سے بے حد خائف ہیں۔

سگریٹ پی کر پرمود اٹھا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ غسل سے فارغ ہو کر اس نے کپڑے تبدیل کیے۔ وہ غسل خانے سے نکلا تو نوجوان طالب علم بھی بیدار ہو چکا تھا۔

آٹھ بج کر دس منٹ پر ٹرین ایک جنکشن پر رکی۔ پرمود ڈبے سے اترا، ایک بک اسٹال سے دو اخبار خریدے اور ڈائننگ کار کی طرف بڑھا۔ ڈائننگ کار میں قدم رکھتے ہی اسے چونکنا پڑا۔ اسے ایک میز پر دو سیاہ فام آدمی نظر آئے تھے۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ پرمود کے دشمنوں ہی میں سے ہوتے لیکن پرمود کو دیکھ کر وہ بھی ایک لمحے کو چونکے تھے، پھر اس کی طرف سے لاپروا نظر آنے لگے تھے لیکن ان کی یہ لاپروائی تصنع سے خالی نہیں تھی۔

''خوب! تو گویا تعاقب جاری ہے۔'' پرمود نے دل ہی دل میں کہا۔

ان سے کچھ فاصلے کی ایک میز پر بیٹھ کر پرمود نے ناشتے کا آرڈر دیا اور ایک اخبار کھول کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔ اب وہ بھی یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے ان دونوں سیاہ فام آدمیوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا ہے۔

ناشتے کے دوران میں پرمود نے دونوں اخباروں کی سرخیوں پر نظر ڈالی۔ صرف سرخیاں ہی پڑھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ جنگ اب ایک خوف ناک مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔

وہ ناشتا کر کے ڈائننگ کار سے اس وقت اٹھا جب ٹرین روانہ ہو چکی تھی۔ وہ طویل کوریڈور سے گزرتا ہوا اپنے ڈبے میں پہنچ گیا۔ ان دونوں سیاہ فام آدمیوں کو وہ وہیں بیٹھا چھوڑ آیا تھا۔

''اچھا دوستو!'' اس نے پھر اپنے دل میں کہا۔ ''گویا جہاز پر سوار ہونے سے پہلے تم سے کم از کم ایک ٹکراؤ ہو گا۔ اچھی بات ہے، میں خود بھی یہی چاہتا تھا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تم لوگ کس ملک کے لیے کام کر رہے ہو۔''

سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اخبار کھول لیا اور اطمینان سے خبریں پڑھنے لگا۔ اس وقت وہ نوجوان طالب علم اور سکی مسافر ڈبے میں نہیں تھے۔ اس طرف آتے ہوئے پرمود نے ان دونوں کو آگے پیچھے ڈائننگ کار کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ بڑے میاں اور بڑی بی اب بھی اپنے مکانوں ہی کی بات کر رہے تھے اور بڑی بی یہ خیال ظاہر کر رہی تھیں کہ اگر مکانوں کی مناسب قیمت نہ ملے تو انہیں اونے پونے ہی فروخت کر دیا جائے۔

گیارہ بج کر پانچ منٹ پر ٹرین سیگلی پہنچ گئی۔ پرمود نے ایک قلی سے اپنا سامان اٹھوایا اور اسٹیشن سے نکل کر ایک ٹیکسی کی۔ اس نے ڈرائیور کو سیگلی کے ایک مشہور ہوٹل کا نام بتایا اور سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سگریٹ سلگانے لگا۔ دو تین گہرے کش لے کر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

گاڑیوں کی ایک قطار چلی آ رہی تھی لیکن ہوٹل پہنچتے پہنچتے پرمود نے اندازہ کر ہی لیا کہ ایک گاڑی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

''میرا نام سعید خالد ہے۔'' پرمود نے ہوٹل کے کلرک سے کہا۔

''ڈینکرٹ سے فون کر کے میرے لیے ایک کمرا ریزرو کرایا گیا تھا۔''

کلرک نے رجسٹر دیکھ کر اثبات میں جواب دیا اور اسے چوتھی منزل کے ایک کمرے کی چابی تھما دی، پھر اس کا سامان اٹھانے کے لیے ایک پورٹر کو بلایا۔

ایک گھنٹے بعد پرمود اسی ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تھی مگر اسے وہاں کوئی سیاہ فام آدمی نظر نہیں آیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد اس نے ایک سگریٹ

جلائی اور ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا اوپری منزل پر اپنے کمرے میں آ گیا۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ بستر پر لیٹ گیا۔ اس دوران میں وہ برابر ان سیاہ فام آدمیوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ ان لوگوں سے ایک ٹکراؤ اور ہو جائے۔ اب تک تو وہ اس انگشتری کی حفاظت کے خیال سے کھل کر ان کے مقابل آنے سے کتراتا رہا تھا لیکن اب صورت حال ذرا مختلف تھی۔ اس نے انگشتری کو محفوظ کر لیا تھا اور اب اسے یہ بے چینی لگی ہوئی تھی کہ ان لوگوں سے ایک ٹکراؤ ہو ہی جائے تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ وہ لوگ اس انگشتری کے حصول کی خاطر اتنی تگ و دو کیوں کر رہے ہیں نیز یہ کہ ان کا تعلق کس ملک سے ہے! ویسے اسے اسی فیصد یقین تھا کہ وہ فیوز رلینڈ کے ایجنٹ ہیں۔

اس نے بستر پر لیٹے لیٹے دوسری سگریٹ جلائی اور ذرا دیر کے لیے ان کا خیال ذہن سے جھٹک کر آئندہ پروگرام کا جائزہ لینے لگا۔

رات گیارہ بجے سیگل کی بندرگاہ سے ایک بحری بیڑا شالمی گڑھ پہنچنے کے لیے روانہ ہونے والا تھا اور پرمود کو اسی بحری بیڑے کے کسی جہاز پر سوار ہونا تھا۔

اس بحری بیڑے کے بیشتر جہاز سامانِ جنگ سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ سامان بلگارنیہ کی مدد کے لیے بھیجا جا رہا تھا کیونکہ اسے اس سامان کی اشد ضرورت تھی۔ کئی ماہ تک راجیشیا سے جنگ کرنے کے بعد اس کی پوزیشن پہلے کی طرح مضبوط نہیں رہی تھی اور خطرہ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ریڈ کلفین افواج کی طرف سے اسے مسخر کرنے کے لیے طوفانی حملے کا آغاز ہو چکا تھا اور ان حملوں کے مقابل سینہ سپر ہونے کے لیے بلگارنیہ کو سامانِ جنگ کی اشد ضرورت تھی۔ اگر وہ بحری بیڑا صحیح سلامت اپنی منزل پر پہنچ جاتا تو بلگارنیہ کو بڑی تقویت ملتی لیکن پرمود کا ذاتی خیال یہ تھا کہ اس بیڑے کا صحیح سلامت پہنچ جانا بہت ہی مشکل ہوگا۔ اخبارات اور ریڈیو کی خبریں سن کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ مارشل ڈریلے کے بحری بیڑے تمام سمندروں میں اپنا جال بچھا چکے ہیں اس لیے ان سے ٹکرائے بغیر منزل تک پہنچ جانا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ ٹکراؤ کا مطلب یہی تھا کہ بیڑا صحیح سلامت شالمی گڑھ نہیں پہنچتا۔

بہرحال پرمود کو اسی بحری بیڑے پر شالمی گڑھ پہنچنا تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ ساڑھے دس بجے تک بندرگاہ پہنچ جائے۔ پرمود چاہتا تھا کہ روانگی سے پہلے ان لوگوں سے دو دو ہاتھ ہو جائیں تاکہ وہ انہی سے اس انگشتری کی اہمیت معلوم کر سکے۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس نے سوچا کہ اگر ان سے ٹکرانا ہی ہے تو اس طرح کمرے میں لیٹے لیٹے بات نہیں بنے گی۔ ان لوگوں میں غالباً اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ہوٹل میں اس کے کمرے ہی پر چڑھائی کر دیتے۔ شاید وہ ہوٹل سے نکلے تو اس پر جھپٹا جائے۔

''اچھا دوستو! اگر تم لوگ یہ چاہتے ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔'' پرمود بڑبڑایا اور بستر چھوڑ دیا۔

اس نے پھر کپڑے تبدیل کیے اور کمرا مقفل کر کے ایک لفٹ کے ذریعے نیچے پہنچ گیا۔ ہوٹل سے نکل کر وہ کچھ دور تک پیدل ہی چلتا رہا، پھر کتابوں کی ایک دکان میں گھس گیا۔ وہاں سے اس نے شہر کی سڑکوں کا ایک نقشہ خریدا اور اسے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے دیکھنے لگا۔ کوئی دو منٹ بعد اس نے اس طرح سر ہلایا جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہو۔ پھر وہ اس نقشے کو تہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا دکان کے دروازے کی طرف مڑا۔ اس وقت اس نے دیکھا تھا کہ ایک سیاہ چہرہ برقی سرعت سے آڑ میں ہو گیا تھا۔ پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی شرارت آمیز لکیر سی کھنچی، اور پھر دھیمی پڑ کر غائب ہو گئی۔

''آؤ دوستو! میں مقابلے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے اپنے دل میں کہا۔

شفاف نیلے آسمان پر برف کے سے سفید بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اڑتے پھر رہے

تھے۔ بعض جگہ انہوں نے جانوروں کی سی شکلیں اختیار کر لی تھیں جنہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ آسمانی چڑیا گھر ہو۔

اس وقت تین بجے تھے ایک برق رفتار ٹیکسی گرٹرنک روڈ پر فراٹے بھر رہی تھی۔ اس کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا آدمی میجر پرمود کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور یہ بات اس کے علم میں تھی کہ چاکلیٹی رنگ کی ایک کار اس کے تعاقب میں لگی ہوئی ہے۔ وہ سڑک بہت طویل تھی اور اس کا اختتام گرٹرنک سیمنٹ فیکٹری پر ہوتا تھا۔ عام طور پر سیمنٹ کی بوریوں سے لدے ہوئے ٹرک اس سڑک پر دوڑتے نظر آتے تھے مگر ادھر کچھ دنوں سے سیمنٹ فیکٹری بند کرنے کے باعث وہ سڑک بالکل ویران رہتی تھی۔ شہری آبادی کے اختتام سے اس سڑک کا آغاز ہوتا تھا۔ جب ٹیکسی نے اس سڑک پر چھ سات میل کا فاصلہ طے کر لیا تو پرمود نے سوچا کہ اب کھیل شروع کر دینا چاہیے۔ اچانک ہی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا رومال کھڑکی سے نکل کر فضا میں اڑتا چلا گیا۔

''ڈرائیور ۔۔۔ ڈرائیور! گاڑی روکو۔ میرا رومال کھڑکی سے نکل کر اڑ گیا ہے۔'' پرمود کے لہجے میں اضطراب تھا۔

ڈرائیور کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکی ہوگی کہ پرمود نے وہ رومال جان بوجھ کر کھڑکی سے باہر پھینکا تھا۔

بریک لگنے کی آواز دور تک پھیلی اور ٹیکسی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ پرمود اگر چاہتا تو گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈلوا کر پیچھے لے جا سکتا تھا لیکن وہ مضطربانہ انداز میں دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

وہ چاکلیٹی رنگ کی کار بھی کچھ فاصلے پر رک چکی تھی اور ایک سیاہ فام آدمی نے اس میں سے اتر کر سڑک پر اڑتا ہوا رومال اٹھا لیا تھا۔ پرمود تیزی سے اس طرف بڑھتا چلا گیا۔ سیاہ فام آدمی بھی چند قدم آگے بڑھ آیا۔ پرمود نے اس کے قریب پہنچ کر رومال لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''شکریہ جناب!''

رومال لے کر پرمود اس طرح گھبرائے ہوئے انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا جیسے کوئی غیر متوقع بات سامنے آئی ہو لیکن درحقیقت یہ بات اس کے لیے غیر متوقع نہیں تھی کہ سیاہ فام آدمی نے بڑی پھرتی سے اپنا ریوالور نکال لیا تھا۔ ریوالور کی نال ظاہر ہے پرمود کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''ہاتھ اوپر اٹھا دو'' سیاہ فام آدمی نے کرازیلین میں کہا۔ اس کا لہجہ سپاٹ ہونے کے باوجود بڑا پُرخطر محسوس ہونے والا تھا۔

''کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مطلب؟'' پرمود نے گھبراہٹ ظاہر کی لیکن ہاتھ اٹھانے میں تاخیر نہیں کی۔

ٹیکسی ڈرائیور نے جو دور سے یہ رنگ دیکھا تو اچانک بھاگ نکلا۔ ٹیکسی طوفانی رفتار سے فراٹے بھرتی ہوئی دور ہوتی چلی گئی۔

سیاہ فام آدمی نے اس کی طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور تحکمانہ لہجے میں پرمود سے بولا۔ ''کار میں بیٹھ جاؤ۔''

''لیکن۔۔۔ تم لوگ۔''

''چلو'' سیاہ فام اس کی بات کاٹتا ہوا غرایا۔

کار کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا سیاہ فام آدمی دروازہ کھولے ہوئے تھا۔ پرمود اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر چپ چاپ کار میں بیٹھ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ریوالور والا بھی کار میں آیا اور اس کے ریوالور کی نال پرمود کی پسلیوں میں گڑنے لگی۔

پچھلی نشست پر پہلے سے بیٹھے ہوئی آدمی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں پرمود کے ذہن میں کوبرا کا تصور ابھر آیا۔

کار حرکت میں آئی، اسے سڑک پر موڑا گیا اور اب وہ واپس شہر کی طرف فراٹے بھر رہی تھی۔ ڈرائیونگ کرنے والا آدمی بھی سیاہ فام ہی تھا۔

کوبرا قسم کے آدمی نے پرمود کی تلاشی لی اور اس کا ریوالور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ کار

فرائے بھرتی رہی۔

یہ بات صاف ظاہر تھی کہ اس وقت پرمود نے جان بوجھ کر خود کو ان لوگوں کے حوالے کیا تھا۔ اسی طرح اسے انگشتری کی اہمیت معلوم ہو سکتی تھی لیکن اہمیت معلوم کرنے کے لیے اس نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈال لیا تھا۔ کیا یہ اس کی حماقت تھی! اگر حماقت نہیں تھی تو پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ خود اعتمادی کی انتہا اسی شخص پر ختم تھی۔ اس نے یہ سوچ کر خود کو ان لوگوں کے حوالے کیا تھا کہ اپنا مقصد پانے کے بعد کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کے جال سے صاف نکل جائے گا۔ اس کا یہ سوچنا خود اعتمادی کی انتہا ہی تو تھی لیکن دوسرے لوگ شاید اسے پاگل پن قرار دیتے۔ اس کے بے تکلف ساتھی اسے نیم پاگل تو کہتے ہی تھے۔ کیپٹن نوازش نے تو اسے بھوت کا نام دے رکھا تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کے لیے بھوت ہی ثابت ہوتا تھا۔

کوبرا نے اپنی جیب سے ایک سیاہ پٹی نکالی اور پرمود کی آنکھوں پر باندھنے لگا۔

''تم لوگ کیا چاہتے ہو۔'' پرمود بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فی الحال چپکے بیٹھے رہو۔'' کوبرا سچ مچ کسی سانپ ہی کی طرح پھنکارا۔

پرمود کا اندازہ تھا کہ کار اس وقت شہری حدود میں داخل ہو رہی تھی۔

کوبرا اور ریوالور والا آپس میں باتیں کرنے لگے۔ پرمود ان کی باتیں نہ سمجھ سکا۔ وہ زبان اس کے لیے اجنبی تھی لیکن اتنا اندازہ ضرور ہو گیا کہ وہ لوگ فیوش زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ فیوزرلینڈ کے رہنے والوں کو فیوش کہا جاتا تھا اور ان کی زبان بھی فیوش کہلاتی تھی۔ پرمود اس زبان سے نابلد تھا۔ بہرحال اب کم از کم یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ وہ لوگ فیوزرلینڈ کے جاسوس تھے۔

اچانک پرمود کو یوں محسوس ہوا کہ اس کا سر ہزاروں ٹکڑوں میں ہو گیا ہے۔ وہ ضرب اتنی شدید تھی کہ آنکھوں میں ستارے ناچ گئے تھے۔

غالباً کوبرا اور ریوالور والے نے آپس میں باتیں کر کے یہی فیصلہ کیا تھا کہ اسے بے ہوش کر دیا جائے ورنہ ممکن تھا کہ آنکھوں پر پٹی بندھی ہونے کے باوجود بھی وہ کار کی رفتار اور اس کی نقل و حرکت سے اپنے ذہن میں سمتوں کا تعین کرتا رہتا۔ بہرحال پرمود بے ہوش ہو گیا۔

جب پرمود ہوش میں آیا تو اسے اس بات پر حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اب تک زندہ تھا۔ اس کی دانست میں یہ بات یقینی تھی کہ وہ لوگ اسے جان سے نہیں مارتے۔ اب تک کے حالات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا۔ وہ لوگ تو اس سے وہ انگشتری حاصل کرنا چاہتے تھے البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ انگشتری حاصل کرنے کے بعد وہ اسے ختم کر دیتے، اس سے پہلے یہ ممکن نہیں تھا۔ اگر پرمود کو ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ انگشتری کی پروا کیے بغیر بھی اسے ختم کر سکتے ہیں تو وہ ہرگز خود کو ان کے حوالے نہ کرتا۔

ہوش میں آنے پر اس نے خود کو ایک کرسی سے جکڑا ہوا پایا۔ اسے باندھنے کے لیے ریشمی ڈوری استعمال کی گئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی مکمل تلاشی لی جا چکی ہے۔ سب جیبیں خالی معلوم ہو رہی تھیں لیکن پرمود کو اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی جب کہ اس نے انگشتری کو اپنے پاس رکھا ہی نہیں تھا۔ انگشتری اس نے ہوٹل کے کمرے ہی میں چھپا دی تھی۔

اس نے اپنا سر اِدھر اُدھر گھمایا۔ وہ مضبوط سرکنڈوں کا بنا ہوا جھونپڑا تھا۔

''کہاں چلے گئے۔'' پرمود بڑبڑایا۔

جھونپڑے کے باہر بھی چاروں طرف ویرانی معلوم ہو رہی تھی۔ ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کسی پرندے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ غالباً وہ جھونپڑا شہری آبادی سے دور کسی ویرانے میں تھا۔ پرمود کو اس بات پر تشویش ہوئی کہ وہ لوگ اسے وہاں چھوڑ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ وہ تو ان لوگوں سے باتیں کرنا چاہتا تھا تاکہ اس انگشتری کی اہمیت

سے آگاہ ہو سکے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے! اسے محسوس ہو رہا تھا کہ گھڑی اس کی کلائی پر موجود ہے لیکن وہ اس سے وقت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دونوں ہاتھ کرسی کی پشت کی طرف گھما کر باندھے گئے تھے۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا جو اس سے ڈھائی تین فٹ دور تھی لیکن وہ کھڑکی سے اندر آنے والی دھوپ سے وقت کا اندازہ نہیں کر سکا۔ دھوپ کھڑکی کی مخالف سمت والی دیوار کی طرف پھیلتی جا رہی تھی۔ اس سے پرمود بس اتنا اندازہ لگا سکا کہ اس کھڑکی کا رخ مغرب کی طرف تھا۔

پرمود کی دونوں ٹانگیں کرسی کے پایوں سے جڑی ہوئی تھیں پھر بھی اس نے کوشش کر کے اپنے پیروں کی حرکت سے کرسی کو سرکانا شروع کیا۔ وہ کھڑکی کے قریب پہنچ کر باہر دیکھنا چاہتا تھا لیکن وہ ڈھائی تین فٹ کا فاصلہ طے کرنا ایک کٹھن مہم تھی۔ اس بات کا خدشہ بہرحال تھا کہ کرسی کو سرکانے کی کوشش میں کرسی زمین پر لڑھک جاتی اور اس کے ساتھ وہ خود بھی۔

ڈھائی تین فٹ کا فاصلہ ایک مصیبت بن گیا اور پرمود کو اسے طے کرنے میں بیس منٹ لگ گئے۔ اب وہ باہر دیکھ سکتا تھا۔ اس کا یہ خیال درست ہی ثابت ہوا کہ وہ ایک ویرانہ تھا۔

دھوپ اب اس دیوار پر پھیل چکی تھی اور اس نے آہستہ آہستہ سمٹنا بھی شروع کر دیا تھا۔ سورج کا گولا سرخ انگارہ بنا ہوا مغرب میں جھکتا جا رہا تھا۔ پرمود نے اندازہ لگایا کہ چھ بجنے والے تھے۔ آدھے پون گھنٹے میں تاریکی پھیل جاتی۔ کیا مصیبت ہے! پرمود نے سوچا۔ یہ بات تو اس کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھی کہ وہ لوگ اسے کسی جگہ قید کر کے خود غائب ہو جائیں گے۔

آخر کار سورج غروب ہو گیا اور تاریکی پھیل گئی۔ ان لوگوں کا اب تک پتا نہیں تھا۔ پرمود کے ریشے ریشے میں اضطراب کروٹیں لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ساڑھے دس بجے تک بندرگاہ پر پہنچ بھی سکے گا یا نہیں۔

بحری بیڑے کو ہر حال میں گیارہ بجے روانہ ہو جانا تھا۔ پرمود کا انتظار کرنے کے لیے اس کی روانگی ہرگز ملتوی نہ ہوتی۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس سے حماقت ہی سرزد ہوئی ہے۔ تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی اور باہر ویرانے میں حشرات الارض کی سیٹیاں گونجنے لگی تھیں۔ پرمود نے جھنجلا کر اپنی کلائیاں آزاد کرنے کے لیے زور لگایا تو اسے یوں لگا کہ وہ ریشمی ڈوریاں اس کی جلد میں شگاف ڈال کر گوشت میں پیوست ہو جائیں گی لیکن ٹوٹیں گی نہیں۔ جلد ہی اس نے اپنی کلائیوں کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور کوشش کرنے لگا کہ اپنے ذہن پر چھا جانے والی جھنجلاہٹ کو ختم کر دے۔ اس بات پر اس کا یقین تھا کہ اگر آدمی پرسکون رہ کر سوچے تو مشکل سے مشکل مسئلے کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے ورنہ جھنجلاہٹ میں تو کوئی بھی ڈھنگ کی بات نہیں سوجھتی۔ اندھیرے میں اب جھونپڑے کے اندر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک سناٹے میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور پرمود نے ایک طویل سانس لیا اور اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کپکپا گئی۔

اب ایسی سرسراہٹ سنائی دی جیسے سرکنڈوں سے بنا ہوا دروازہ کھولا جا رہا ہو۔ پھر قدموں کی آہٹیں جھونپڑے میں آ گئیں۔ پرمود نے اندھیرے میں دو سائے دیکھے۔ اچانک اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن سی پھوٹی۔ آنے والوں میں سے ایک نے اپنا لائیٹر جلایا تھا اور پھر ان دونوں ہی کے منہ سے تحیر زدہ سی آوازیں نکلیں۔ ان دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ کہا بھی تھا جسے پرمود نہیں سمجھ سکا۔ شاید ان دونوں کو اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ پرمود کی کرسی جہاں چھوڑ گئے تھے۔ وہ اب وہاں نہیں تھی۔

دو موٹی موٹی موم بتیاں جلا دی گئیں۔ کوبرا اور اس کا ساتھی پرمود کے سامنے موجود تھے۔

"تم نے کرسی وہاں تک کیسے پہنچائی؟" کوبرا اسے گھورتا ہوا بولا۔

"۔۔۔س طرح بھی بن پڑا۔" پرمود نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "دنیا کا ہر قیدی اپنی سی کوشش تو کرتا ہی ہے۔"

کوبرا نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھیں پرمود کے چہرے پر جمی رہیں۔ چند ثانیوں کے بعد وہ غراتا ہوا بولا۔ "ٹیپ کہاں ہے۔"

پرمود کا خیال تھا کہ اس انگشتری کے بارے میں پوچھا جائے گا لیکن غیر متوقع طور پر ٹیپ کی بات سامنے آئی تو وہ حیران رہ گیا۔

"کیسا ٹیپ؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"وہی ٹیپ جو تم فارگل سے لے کر بھاگے تھے۔"

"تم فولش ہو؟"

"میری بات کا جواب دو۔" کوبرا بگڑ گیا۔

"میں فارگل سے کوئی ٹیپ لے کر نہیں بھاگا۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔"

"میں نے حقیقت بتائی ہے۔"

"یہ حقیقت نہیں ہے لیکن جو حقیقت ہے وہ میں تمہارے فرشتوں سے بھی اگلوالوں گا۔" کوبرا کا لہجہ بڑا خوف ناک تھا۔

پرمود کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو شاید اس لہجے ہی سے سراسیمگی کا شکار ہو جاتا لیکن اس کا چہرہ قطعی پرسکون نظر آ رہا تھا۔

"انگیٹھی دہکاؤ۔" کوبرا نے تحکمانہ لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا۔ ذرا ہی دیر میں انگیٹھی کے کوئلے سرخ انگارے بن گئے۔

"انگیٹھی قریب لے آؤ۔" کوبرا، پرمود کے قریب آتا ہوا بولا۔

اس وقت خوف کی علامات پرمود کے چہرے پر صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس کی اداکاری اتنی شان دار تھی کہ کوبرا دھوکا کھا گیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ تم حقیقت کا اظہار کرنے کے لیے تیار ہو اور یہی دانش مندی کا تقاضا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی آدمی اندھا بننا پسند نہیں کر سکتا۔"

"یقین کرو کہ مجھے کسی ٹیپ کا علم نہیں ہے۔" پرمود نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "فارگل میں مجھے صرف ایک انگشتری دی گئی تھی۔"

"انگشتری۔" کوبرا کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"ہاں۔" پرمود نے جلدی سے سر ہلایا۔ "وہ ایک عجیب سی انگشتری ہے، اس میں لگا ہوا ہیرا غیر معمولی طور پر بڑا ہے۔ میں نے کبھی کسی انگشتری میں اتنا بڑا ہیرا نہیں دیکھا۔"

کوبرا کی پیشانی کی سلوٹیں بدستور قائم رہیں۔ اس کی چمکیلی آنکھیں پرمود کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی تیز نگاہ پرمود کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اتر جانا چاہتی ہو۔

"لیکن ایسی کوئی انگشتری بھی ہمیں تمہارے کمرے میں نہیں ملی۔" کوبرا نے آہستہ سے کہا۔ غالباً وہ پرمود کی اس بات کا یقین کرنے پر آمادہ تھا۔

"ہاں وہ انگشتری کمرے میں نہیں ہے۔" پرمود نے جواب دیا۔

"اور تمہارے پاس بھی نہیں ہے۔ ہم تمہاری تلاشی لے چکے ہیں۔"

"وہ انگشتری میں ایک جگہ چھپا چکا ہوں۔"

"کہاں۔"

"ایک عوامی بیت الخلا میں۔"

کوبرا حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پرمود پھر بولا۔ "میں نے سوچا تھا کہ انگشتری وہاں محفوظ رہے گی۔ وہاں مجھے دیوار میں فرش کے قریب ایک سوراخ نظر آیا تھا۔ وہ انگشتری میں نے اسی سوراخ میں ٹھونس دی تھی کہ جب ضرورت ہوگی نکال لوں گا۔"

"تمہیں کسی عوامی بیت الخلا میں جاتے نہیں

دیکھا گیا۔'' کوبرا کے لہجے میں شک و شبے کی لہریں تھیں۔

''دوپہر کا کھانا کھا کر ڈائننگ ہال سے اپنے کمرے میں جانے کے بعد میں ہوٹل کے پچھلے دروازے سے نکل گیا تھا۔'' پرمود نے کہا۔ ''مجھے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں اس انگشتری کو چھپایا جا سکتا۔ میں اِدھر اُدھر بھٹکتا ہوا ایک عوامی بیت الخلا کے قریب جا نکلا۔ میں وہاں رفع حاجت کے لیے اندر داخل ہوا تھا لیکن وہاں وہ سوراخ نظر آیا اور مجھے وہ جگہ انگشتری چھپانے کے لیے بے حد مناسب نظر آئی۔''

کوبرا چند لمحے خاموش رہا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پرمود کے ایک ایک لفظ کو تول رہا ہو۔

''وہ عوامی بیت الخلا کہاں ہے؟'' کوبرا نے چند لمحے بعد پوچھا۔

''میں اس شہر میں اجنبی ہوں اور اس جگہ کے نام سے ناواقف۔''

کوبرا چند لمحے اسے گھورتا رہا، پھر بولا۔ ''تم وہ انگشتری چھپانے لیے ہوٹل کے عقبی دروازے سے نکلے تھے۔ گویا تمہیں معلوم تھا کہ تمہاری نگرانی کی جا رہی ہے۔''

''ہاں۔'' پرمود نے سر ہلایا۔

''پھر بھی تم گرٹرنک روڈ پر اتنی آسانی سے ہماری گرفت میں آ گئے۔''

''وہاں مجھ سے ذرا سی کاہلی ہو گئی تھی۔'' پرمود نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟''

''وہ رومال میں نے ٹیکسی سے جان بوجھ کر پھینکا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اسے لینے کے لیے ٹیکسی سے اتروں گا اور اگر تم لوگوں نے بھی اپنی گاڑی رکوالی تو تم لوگوں کے قریب پہنچ جاؤں گا۔ پھر جب تمہارے ساتھی نے میرا رومال اٹھایا تو میں نے سوچا کہ اب آسانی سے کام ہو جائے گا لیکن میری توقع کے خلاف تمہارے ساتھی نے بہت پھرتی کا ثبوت دیا اور مجھ سے پہلے ہی ریوالور نکال لیا۔''

''تم اس وقت ریوالور نکالنا چاہتے تھے؟''

''ہاں! میں تم لوگوں سے نمٹنا چاہتا تھا۔''

''خوب۔'' کوبرا کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی، پھر اس نے کہا۔ ''تمہیں وہ انگشتری لے کر ہلگارنیہ پہنچنا ہے نا؟''

''ہاں۔''

''اور زارنیکن حکومت تمہاری مدد کر رہی ہے۔''

پرمود نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے سوچا کہ ان لوگوں کی معلومات کے ذرائع بڑے وسیع معلوم ہوتے ہیں۔

''یہاں سے تم کب اور کیسے روانہ ہوتے۔'' کوبرا نے پوچھا۔

''میں تم لوگوں کو زارنیکن سیکرٹ سروس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔''

''لیکن تم اکیلے تھے۔''

''اگر میں نے ریوالور نکال لیا ہوتا تو تم لوگوں کو باندھ لینا مشکل بات نہ ہوتی۔''

''وہ انگشتری کہاں ہے؟'' کوبرا نے اچانک سوال کیا۔

''ابھی بتا تو چکا ہوں کہ اسی عوامی بیت الخلا میں۔'' پرمود نے ذرا بھی جھجکے بغیر جواب دیا۔

کوبرا نے بے اختیار ایک طویل سانس لیا، پھر بولا۔ ''اور تم اس کا پتا نہیں بتا سکتے۔''

''میں نے کہا نا کہ اس شہر میں اجنبی ہوں۔''

''گویا اگر ہمیں وہ انگشتری حاصل کرنا ہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر وہاں جائیں۔''

''میں اس کے لیے تیار ہوں۔'' پرمود نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کن انکھیوں سے دہکتی ہوئی انگیٹھی کی طرف دیکھا۔

اس دوران میں کوبرا کا ساتھی بالکل خاموش رہا تھا۔

''اسے کرسی سے آزاد کرو۔'' کوبرا نے اس

سے تحکمانہ لہجے میں کہا اور جیب سے ریوالور نکال کر پرمود کو زد میں لے لیا۔

''شاباش میرے دوست! اسی بات کا تو میں بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں۔'' پرمود نے اپنے دل میں کہا۔

کوبرا کے ساتھی نے ڈوریاں کھول دیں اور پرمود کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر تم نے کوئی چالاکی دکھائی تو اپنی ہلاکت کے خود ذمہ دار ہوں گے۔'' کوبرا نے دھمکی دی۔

پرمود نے اپنی گھڑی دیکھی جو پونے نو بجا رہی تھی۔

☆☆☆

جھونپڑے سے تقریباً ایک فرلانگ دور ایک کچا راستہ تھا جہاں وہی چاکلیٹی رنگ کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ کوبرا پرمود کو لے کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔ ریوالور کی نال پرمود کی پسلیوں میں گڑتی رہی۔ راہ ناہموار تھی اس لیے کار کو زیادہ رفتار سے نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ وہ کوئی پندرہ منٹ میں پختہ سڑک پر پہنچی اور اس دوران میں پرمود کا اضطراب بڑھتا ہی رہا۔ ڈرائیونگ کرنے والے نے ٹرانسمیٹر پر کسی سے گفتگو شروع کر دی تھی جسے پرمود نہیں سمجھ سکا۔ وہ باتیں فیلش زبان میں ہو رہی تھیں۔

سڑک پر پہنچ کر گاڑی نے فراٹے بھرنا شروع کیے تو پرمود کو سکون حاصل ہوا۔ سوا نو بجے کار شہر میں داخل ہو چکی تھی۔

''اب راستہ بتاؤ۔'' کوبرا بولا۔

''ہوٹل کی طرف چلو۔'' پرمود نے کہا۔ ''اس کی پچھلی سڑک پر! میں وہیں سے راستہ بتا سکوں گا۔''

کار تیز رفتاری سے فاصلہ طے کرتی رہی۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے سارا شہر تاریک پڑا ہوا تھا۔ سڑک کے کناروں پر بعض جگہ خندقیں کھدی ہوئی تھیں تاکہ ہوائی حملہ ہونے پر لوگ ان میں پناہ لے سکیں۔ سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھا لیکن تمام گاڑیوں کی ہیڈ لائیٹس پر سیاہ کپڑے چڑھے ہوئے تھے یا سیاہ رنگ کر دیا گیا تھا تاکہ روشنی پھیل نہ سکے۔ کوبرا کی اس چاکلیٹی کار کی ہیڈ لائیٹس پر بھی سیاہ رنگ تھا۔ پرمود کا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا۔ وہ کوئی ایسی تدبیر سوچنا چاہتا تھا کہ کوبرا کو جل دے کر نکلا جا سکتا۔ اس کا خیال تھا کہ ایسا کوئی موقع کار سے اترنے کے بعد ہی مل سکے گا۔

آخر کار گاڑی ہوٹل کی عقبی سڑک پر پہنچ گئی اور پرمود نے بولنا شروع کیا۔ ''اگلے موڑ سے بائیں طرف۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے، چلتے رہو۔۔۔ بس اب موڑ لو۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ وہ جو کونے پر ٹیلی فون بوتھ نظر آ رہا ہے اسی طرف موڑ لینا۔''

پرمود ہدایات دیتا رہا اور کار آہستہ رفتار سے چلتی رہی۔

''بس اب روک لو۔'' وہ رہا عوامی بیت الخلا۔'' پرمود نے کہا۔ کار کی رفتار کم ہوتی چلی گئی۔

''ایک بار پھر کہتا ہوں کہ تم نے کوئی گڑبڑ کی تو اپنی موت کے ذمہ دار خود ہو گے۔'' کوبرا نے تنبیہہ کی۔ پھر کہا۔ ''کار سے اترتے وقت میں ریوالور اپنی جیب میں رکھ لوں گا لیکن میری انگلی ٹریگر پر رہے گی اور نال کا رخ تمہاری طرف ہو گا۔''

پرمود نے آہستہ سے سر ہلایا۔

بریک لگے اور کار ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ سب سے پہلے پرمود اور اس کے پیچھے کوبرا کار سے اتر آیا۔ اس کے بعد کوبرا کے ساتھی نے بھی کار چھوڑ دی تھی۔ اس وقت دس بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ اس سڑک پر بہت کم ٹریفک تھا لیکن راہگیروں کی تعداد زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھی۔ پرمود بیت الخلا کی طرف بڑھا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اچانک فضا میں خطرے کے سائرن کی بھیانک آواز گونجنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ لوگ خندقوں کی طرف دوڑ پڑے

تھے۔ سڑک پر جو دو چار گاڑیاں نظر آ رہی تھیں، وہ بھی رک گئیں۔ ہیڈ لائٹس بجھا کر ان گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی گاڑیوں سے اتر کر خندقوں کی طرف دوڑے۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے کسی آبادی میں اچانک کوئی درندہ گھس آیا ہو اور اس کے خوف سے بھگدڑ مچ گئی ہو۔

پرمود سائرن کی آواز سنتے ہی ٹھٹکا تھا لیکن پیچھے سے کوبرا کی دھیمی آواز آئی تھی۔ ''چلتے رہو۔''

پرمود کو پھر قدم اٹھانے پڑے تھے۔ وہ بیت الخلا کے دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اسی وقت ایک آدمی گھبرائے ہوئے انداز میں تقریباً دوڑتا ہوا بیت الخلا سے نکلا۔ پرمود کو جیسے اسی موقع کا انتظار تھا۔ اس کی ٹانگ چل گئی۔ وہ دوڑتا ہوا آدمی اس کی ٹانگ سے الجھ کر کوبرا کے اوپر اوندھا جا گرا اور کوبرا کے منہ سے ایک گندی سی گالی نکل گئی۔ وہ اس آدمی کے ساتھ ہی زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ پرمود نے تیزی سے پلٹ کر کوبرا کے ساتھی کے جبڑے پر ایسا طوفانی قسم کا گھونسا رسید کیا کہ وہ چکر کھا کر چند فٹ دور جا گرا۔ کوبرا کے اٹھنے سے پہلے ہی پرمود نے قریب کی ایک گلی میں جست لگائی اور پوری قوت سے دوڑتا چلا گیا۔

وہ گلیوں ہی گلیوں میں مڑتا ہوا، دوڑتا رہا، اور پھر ایک بڑی سڑک پر جا نکلا۔ وہاں چند ثانیے رک کر اس نے سمتوں کا اندازہ لگایا، اور پھر دوڑ پڑا۔ اسے اب جلد از جلد ہوٹل پہنچنا تھا وہ انگشتری اس کے کمرے ہی میں تھی۔ اسے لینے کے بعد ہی وہ بندرگاہ کا رخ کر سکتا تھا۔

خطرے کا سائرن اب خاموش ہو چکا تھا اور ہر طرف ایک مہیب سناٹا اور ویرانی پھیل گئی تھی۔ پھر اچانک ہی طیارہ شکن توپوں کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ وہ آوازیں بندرگاہ کی طرف سے آ رہی تھیں۔

جب پرمود ہوٹل پہنچا تو دس بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا ہر چیز الٹ پلٹ تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرے میں بھونچال آیا ہو۔ کوئی ایک چیز بھی اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ ان لوگوں نے تلاشی کا کام بڑے بھرپور طریقے سے انجام دیا تھا۔

پرمود لپکتا ہوا باتھ روم میں داخل ہوا۔

اسی وقت کئی خوف ناک دھماکے ہوئے۔ ہوٹل کے در و دیوار جیسے کانپ گئے۔ نہ جانے وہ بمباری بندرگاہ پر ہوئی تھی یا ریڈ کلفین طیاروں کے جھلائے ہوئے ہوا بازوں نے شہری آبادی ہی کو نشانہ بنایا تھا۔

پرمود نے واش بیسن میں لگی ہوئی ٹونٹی کو گھمانا شروع کیا چوڑیاں کھلتی چلی گئیں اور ٹونٹی پائپ سے الگ ہو گئی۔ پرمود نے دو انگلیاں پائپ کے سوراخ میں ڈالیں اور پھر کسی چیز کو پکڑ کر کھینچ لیا۔ وہ کپڑے کی بنی ہوئی ایک چھوٹی سی گیند تھی۔ وہ پرمود نے اپنی جیب میں ڈال لی اور ٹونٹی کو پائپ میں لگانے کے بجائے واش بیسن ہی میں پھینک کر تیزی سے پلٹا۔ یکلخت اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یوں معلوم ہوا تھا جیسے ریڈ کلفین طیارے کا کوئی بم اس کے سر پر بھی آ گرا ہو۔ باتھ روم کے دروازے میں کوبرا کھڑا تھا اور اس کے ریوالور کی نال پرمود کے سر کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

عام حالات میں تو پرمود کو اس صورت حال سے ذرا بھی پریشانی نہ ہوتی لیکن اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ ان چکروں میں الجھ کر بندرگاہ پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی اور بحری بیڑا روانہ ہو جاتا۔

اس سے ایک حماقت یہ بھی ہوئی تھی کہ کمرے میں پہنچ کر وہ جلد بازی کے سبب دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا لیکن اگر اس نے دروازہ بند نہ کیا ہوتا تو بھی اسے اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا۔ اندر آنے کا موقع نہ ملنے کی صورت میں کوبرا کمرے کے باہر ہی اس کا انتظار کرتا۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں یہ ساری باتیں پرمود کے ذہن میں چکرا گئیں۔

''بے وقوف انسان!'' کوبرا دانت پیس کر

بولا۔ ''تم نے خود ہی اپنی موت کو دعوت دی ہے۔''

اس کا چہرہ اس وقت بڑا بھیانک نظر آ رہا تھا اور یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ پرمود کو ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔ یہ اس نے دیکھ ہی لیا تھا کہ پرمود نے واش بیسن کے پائپ سے کوئی چیز نکالی تھی۔ اس کی دانست میں یہ وہی چیز ہو سکتی تھی جس کی وہ تلاش میں تھا۔

پرمود نے فوراً اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے لیکن اس بہانے سے وہ دراصل شاور پکڑنا چاہتا تھا۔

اس سے پہلے کہ ٹریگر پر کوبرا کی انگلی دب جاتی، باتھ روم میں جیسے بجلی سی تڑپ گئی۔ پرمود کے جسم نے بالکل مشینی انداز میں حرکت کی تھی۔ اس کی لاتیں پوری قوت سے کوبرا کے سینے پر پڑی تھیں اور وہ کسی جنگلی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا پیچھے کھڑے ہوئے اپنے ساتھی پر جا گرا تھا۔

پرمود نے جست لگائی اور ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ ریوالور کوبرا کے ہاتھ سے چھوٹ کر الگ جا گرا تھا۔

وہ دونوں ہی کافی جان دار جسم رکھتے تھے لیکن وہ حملہ اتنا غیر متوقع اور طوفانی تھا کہ وہ ذرا بھی مدافعت نہ کر سکے۔ مشینی ہتھوڑوں کی طرح برسنے والے پرمود کے مکوں نے ان دونوں کو دو تین منٹ کے اندر اندر بے ہوش کر دیا۔

اب چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ طیارہ شکن توپیں خاموش ہو چکی تھیں۔ شاید ریڈ گلفین طیارے واپس جا چکے تھے۔

پرمود تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اس نے اپنا سامان بھی وہیں چھوڑ دیا تھا۔ اسے سیٹلمنٹ میں کچھ نہ کچھ وقت لگ ہی جاتا جب کہ پہلے ہی کافی تاخیر ہو چکی تھی۔ جس وقت وہ ہوٹل سے نکلا تو خطرہ ٹل جانے کا سائرن ہو رہا تھا۔

☆☆☆

لنگر اٹھا دیے گئے اور زارنیکن بحری بیڑا سیگلی کی بندرگاہ سے دور ہٹتا ہوا سمندر کی بیکراں وسعتوں میں محو خرام ہو گیا۔ تاریک رات میں یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف سیاہی کا سمندر ہو۔ متحرک لہریں سیاہ خوف ناک اژدہوں کی طرح بل کھا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی سرد ہوا چل رہی تھی۔ موسم بڑا اچھا تھا۔ مستقبل قریب میں کسی طوفان سے دوچار ہونے کے امکانات نہیں تھے۔

شروع میں بحری بیڑے کی رفتار کم ہی رہی تھی لیکن اس میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا اور دو گھنٹے بعد وہ برق رفتاری سے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ کئی میل کے رقبے میں جہاز ہی جہاز پھیلے ہوئے تھے اور ان پر مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کسی جگہ روشنی کا ننھا سا نقطہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

ریڈ گلفین جہازوں سے مڈبھیڑ ہونے اور ان کے طیاروں کے حملے کا خدشہ ہر ایک کے دل میں موجود تھا اس لیے سب چوکنا اور مستعد تھے۔ ہر شخص اپنی ڈیوٹی کو خلوص نیت اور ذمے داری کے احساسات کے ساتھ انجام دے رہا تھا۔ ہر جہاز کے برج پر ڈیوٹی دینے والے کی آنکھوں سے دوربین جیسے چپک کر رہ گئی تھی اور وہ دور دور تک کا جائزہ لے رہا تھا لیکن وہ رات خیریت سے گزر گئی۔ طلوع ہوتے سورج نے اس بحری بیڑے کو بحر شرجیل کی سطح پر صحیح وسالم تیرتے ہوئے دیکھا۔

میجر پرمود اس بیڑے کے ایک جہاز کے کیبن میں بیٹھا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا اور اس کی نیم باز آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی معلوم دے رہی تھیں۔

رات کو وہ پونے گیارہ بجے بندرگاہ پہنچا تھا۔ پندرہ منٹ رسمی کارروائیوں میں صرف ہوئے تھے اور ٹھیک گیارہ بج کر ایک منٹ پر وہ اس جہاز میں پہنچ گیا تھا۔

رات کو بندرگاہ پر ہونے والے ہوائی حملے کی وجہ سے بحری بیڑے کی روانگی میں تاخیر ہو گئی تھی اور وہ گیارہ کے بجائے بارہ بجے روانہ ہوا تھا۔

رات پرمود نے اطمینان سے سوتے ہوئے

گزاری تھی اور اب ناشتا کرنے کے بعد وہ سگریٹ پیتا ہوا اس انگشتری کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ شبہ اس کے دل میں کل رات ہی پیدا ہو چکا تھا کہ جس ٹیپ کی کو برا کو تلاش تھی وہ ٹیپ ضرور اس انگشتری کے ہیرے میں پوشیدہ ہوگا، اس کے اندرونی خول میں ممکن تھا کہ وہ دراصل ہیرا نہ ہو بلکہ محض ایک شیشہ ہو جسے بڑی خوب صورتی سے تراشا گیا تھا۔ اس کے خول میں وہ مائیکرو ٹیپ چھپایا جا سکتا تھا۔

پرمود کے اس شبہ کی محرک یہ بات بنی تھی کہ وہ ہیرا غیر معمولی طور پر بڑا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس میں کوئی شے چھپائی گئی ہوگی ورنہ اتنے بڑے ہیرے انگشتریوں میں استعمال نہیں کیے جاتے۔

پرمود نے کو برا کو اس ہیرے کی ''بڑائی'' کے بارے میں خاص طور سے بتایا تھا۔ یہ بتانے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ کو برا کے دل میں بھی وہی شک پیدا ہو جائے۔ جو خود اس کے دل میں ہوا تھا۔ اسے اپنا یہ مقصد حاصل کرنے میں ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ کو برا کے دل میں وہ شک پیدا ہو گیا تھا ورنہ وہ اس انگشتری کے حصول کی کوشش کیوں کرتا۔

بہر حال اب پرمود کو یقین ہو چکا تھا کہ اگر وہ اس ہیرے کو یا جو کچھ بھی وہ تھا، اس انگشتری سے الگ کرے تو اس کی نچلی سطح میں کوئی سوراخ ضرور دکھائی دے گا اور اس سوراخ میں مائیکرو ٹیپ کی موجودگی لازمی تھی۔

وہ دن خیریت سے گزر گیا اور بحری بیڑا اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ پھر دوسرا دن بھی خطرات سے دوچار ہوئے بغیر تاریکیوں کی گود میں جا سویا اور تیسرے دن بھی خطرے کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

اس جہاز کے کپتان کے علاوہ کسی کو بھی یہ بات معلوم نہیں تھی کہ پرمود کون ہے لیکن عملے کے افراد میں یہ چہ مگوئیاں ضرور ہوتی رہتی تھیں کہ وہ کوئی اہم شخصیت ہے۔ وہ لوگ اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھا کرتے تھے اور پرمود مسکرا کر رہ جاتا تھا۔ ان حالات میں اسے خود ہی اپنی شخصیت بڑی پُراسرار محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ لوگ اسے سعید خالد کے نام سے جانتے تھے۔ اس کا اصل نام بھی یہی تھا لیکن اس کی اصل شخصیت تو میجر پرمود کے نام میں مضمر تھی۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ نرس ٹریزا اس کی طرف کافی جھک رہی ہے۔ وہ کوشش کر کے اس سے کچھ بے تکلف بھی ہو گئی تھی۔ بعض اوقات وہ ایسے گھماؤ پھراؤ والی باتیں کرتی کہ شاید اس طرح پرمود کے منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جس سے وہ اس کی شخصیت کے بارے میں کوئی اندازہ لگائے۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ اس کے مقابل ایک گرگ باراں دیدہ ہے جو اس کی ان عیارانہ باتوں پر دل ہی دل میں ہنستا رہتا ہے۔

شام کو جب وہ پرمود کے کیبن میں داخل ہوئی تو اس نے گہرا عنابی اسکرٹ اور سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی کے بعد کا خالی وقت پرمود کے ساتھ ہی گزارنے کی کوشش کرتی تھی اور اس وقت اس کے بناؤ سنگھار میں بھی ایک خاص انداز ہوتا تھا۔ بعض اوقات اس کی آنکھیں پرمود سے بہت کچھ کہہ جاتی تھیں لیکن وہ اس طرح انجان بن جاتا تھا جیسے جمالیاتی حس اسے چھو کر بھی نہ گزری ہو۔ اس وقت ٹریزا دل ہی دل میں جھنجلا کر رہ جاتی تھی۔

وہ کیبن میں داخل ہوئی اور مسکرا کر ''ہیلو'' کہا۔

''ہیلو مس ٹریزا'' پرمود بھی مسکرایا۔ ''غالباً موسم خوش گوار ہوگا۔''

''یقیناً مسٹر خالد!'' ٹریزا نے کہا۔ ''آپ زیادہ تر کیبن ہی میں رہتے ہیں۔ میں ابھی عرشے سے آ رہی ہوں۔ موسم واقعی بہت خوش گوار ہے۔''

یہ ٹریزا کی عادت تھی کہ پرمود سے ملاقات ہونے پر وہ اسے موسم خوش گوار ہونے کی اطلاع ضرور دیتی تھی۔

پرمود اسے ٹال گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے ٹریزا کے ساتھ عرشے پر ٹہلتے ہوئے دیکھا جائے۔

اس نے دوسری باتیں چھیڑ دیں اور ٹریزا وہیں بیٹھ گئی۔

"مجھے حیرت ہے کہ اب تک ہمارا بیڑا کسی خطرے سے دوچار نہیں ہوا۔"

"حیرت تو سبھی کو ہے مسٹر خالد!" ٹریزا نے کہا۔ "بندرگاہ پر ہونے والے ہوائی حملے سے یہی نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ ریڈش ایجنٹوں نے ہمارے بیڑے کی بلگارنیہ کی طرف روانگی کی اطلاع اپنی حکومت کو دے دی ہے۔ وہ حملہ بڑا شدید تھا۔ اگر بندرگاہ کے زمینی توپچیوں نے بے تحاشا فائرنگ کر کے دشمن کے طیاروں کو بوکھلا نہ دیا ہوتا تو وہ ہمارے بیڑے کے جہازوں کو کافی نقصان پہنچا جاتے۔"

"جس وقت وہ حملہ ہوا میں شہر میں تھا۔"

"اور میں جہاز ہی پر تھی۔ وہ سارا معرکہ میری نظر کے سامنے ہوا تھا۔ دشمن کے طیارے صرف ایک جہاز کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے لیکن وہ جہاز اس بیڑے کا نہیں تھا۔"

"کتنے طیاروں نے حملہ کیا تھا؟"

"ایک اسکواڈرن تھا جس کے دو طیارے ہمارے توپچیوں نے مار گرائے تھے۔ ان دونوں کی تباہی سے ہی بوکھلا کر وہ بھاگ نکلے تھے۔" ٹریزا نے بتایا۔

تھوڑی دیر بعد پرمود نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اسے ایک کام سے کپتان کے کمرے میں جانا ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ کچھ دیر قبل پرمود، جہاز کے کپتان سے ملنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن کپتان سے ملنے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ بس وہ یونہی کچھ دیر کپتان سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔

ٹریزا چلی گئی تو پرمود اپنے کیبن سے نکل کر کپتان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ کپتان کمرے میں موجود نہیں تھا پتا یہ چلا کہ وہ عرشے پر ہوگا لیکن وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی انجن روم میں گیا ہے۔

پرمود پر ایک دم بے زاری مسلط ہو گئی اور اس نے یہ بھی سوچا کہ کپتان اس وقت مصروف ہے۔ وہ واپس اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔

کیبن کے سامنے پہنچ کر وہ ایک دم ٹھٹک گیا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کیبن میں کوئی موجود ہو۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر کیبن میں داخل ہوا۔

ٹریزا کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ کیبن کی تلاشی لے رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور وہ خوف زدہ نظر سے پرمود کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اب یہ صاف ظاہر ہو چکا تھا کہ ٹریزا کو یہ شکایت کیوں تھی کہ وہ ہر وقت اپنے کیبن میں جما رہتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ٹریزا کے قریب پہنچا اور دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیے۔ وہ پلکیں جھکائے بغیر پرمود کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اچانک یوں لگا جیسے وہ غش کھا کر گر پڑے گی۔ پرمود نے اسے اپنے ہاتھوں پر سنبھال لیا اور لے جا کر اپنے بستر پر بٹھا دیا۔ دوسرے ہی ثانیے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا تھا۔

پرمود نے اسے چپ کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بستر کے قریب ہی گدے والے اسٹول پر بیٹھ گیا۔ اس نے سگریٹ نکال کر جلائی اور دھواں اڑاتا ہوا خاموشی سے ٹریزا کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد ٹریزا خود ہی چپ ہو گئی اس نے سرخ سرخ آنکھوں سے پرمود کی طرف دیکھا اور پھر نظر جھکا لی۔ پرمود نے اٹھ کر جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور ٹریزا کی طرف بڑھا دیا۔

ٹریزا کی پلکیں اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ اس کے ہونٹ اس طرح کانپے جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن کچھ کہہ نہیں سکی۔ اس نے خاموشی سے گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ پرمود نے اس سے گلاس واپس لے کر تپائی پر رکھا اور سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر دھیمی آواز میں بولا۔ "اب تم جا سکتی ہو۔"

ٹریزا چونک پڑی۔ اس کی حیرت زدہ نگاہ

پرمود کے چہرے پر جم گئی لیکن پرمود اب اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

ذرا دیر تک کیبن میں ایک بوجھل سا سکوت چھایا رہا، پھر اس خاموشی کو دوبارہ بھی پرمود ہی کی آواز نے توڑا۔ ''کیا تم نے سنا نہیں۔''

ایک بار پھر ٹریزا کے ہونٹ کانپے اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

''مجھے۔۔۔ مجھے معاف کر دیجیے مسٹر خالد!''

''کیوں؟'' پرمود نے حیرت ظاہر کی۔ ''کس بات کی معافی مانگ رہی ہو تم؟''

''میں نادم ہوں مسٹر خالد!''

''آخر کس بات پر؟''

''میں آپ کے کیبن کی تلاشی لے رہی تھی۔''

''لیکن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کامیابی نہیں ہو سکی۔ وہ انگشتری اس وقت بھی میرے کوٹ کے اندرونی جیب میں ہے۔'' پرمود نے آہستہ سے کہا۔

''میں نے لالچ میں آ کر اپنا کردار داغ دار کر لیا ہے۔'' ٹریزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر وہ خود ہی سب کچھ اگلتی چلی گئی۔ اس نے بتایا کہ بندرگاہ پر ہوائی حملے کے بعد جب پرمود، جہاز پر پہنچ چکا تھا، اس وقت وہ جہاز پر نہیں تھی۔

بندرگاہ کے ایک حصے میں ایک سیاہ فام اجنبی نے ٹریزا سے ملاقات کی تھی اور ایک موٹی رقم کے عوض اسے اس کام پر آمادہ کیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ جہاز پر سوار ہونے والے اس آدمی یعنی میجر پرمود کے پاس بڑے ہیرے کی انگشتری ہے جو اسے چوری کرنا تھی۔ پھر شالمی گڑھ پہنچ کر اسے وہاں کے ایک ہوٹل میں جانا ہوتا جہاں وہ انگشتری ایک ایسے آدمی کے حوالے کر دی جاتی جس کا حلیہ ٹریزا کو بتایا گیا تھا۔ سیڈلی کی بندرگاہ پر بھی ٹریزا کو ایک موٹی رقم ملی تھی۔ اسے یقین دلایا گیا تھا کہ شالمی گڑھ میں وہ اس انگشتری کو جس آدمی کے حوالے کرے گی، وہ آدمی بھی اسے اتنی ہی رقم دے گا۔ لالچ میں آ کر ٹریزا نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس طرح وہ کسی بہت بڑے جرم کی بھی مرتکب ہو سکتی ہے اور اس کام کے لیے آمادہ ہو گئی۔''

پرمود پورے سکون سے اس کی کہانی سنتا رہا۔ اس کے سوال کیے بغیر ہی ٹریزا نے تفصیل سے ایک ایک بات بتا دی۔

''اور اب میرا دل چاہ رہا ہے کہ خودکشی کر لوں۔'' ٹریزا نے ساری داستان سنانے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

پرمود آہستگی سے اس کا شانہ تھپکنے لگا اور بولا۔ ''تم نادم ہو اس لیے میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تمہیں کوئی سزا ملے۔ جاؤ اب آرام کرو! اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔''

ٹریزا متشکرانہ نظر سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹریزا کی کہانی سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ جب پرمود کو برا اور اس کے ساتھی کو بے ہوش کر کے ہوٹل سے فرار ہوا تھا تو وہاں دشمن کی پارٹی کا کوئی اور آدمی بھی موجود رہا ہوگا۔ وہ پرمود کو روک نہیں سکا لیکن اس کا تعاقب کرتا ہوا بندرگاہ تک پہنچ گیا۔ غالباً اس کی کار میں ٹرانسمیٹر بھی ہوگا جس پر اس نے اپنے ''باس'' کو صورت حال کی رپورٹ دی ہوگی۔ وہاں سے اسے حکم دیا گیا ہوگا کہ انگشتری چوری کرنے کی خاطر جہاز کے کسی فرد کو خرید لیا جائے اور پھر ٹریزا لالچ میں آ کر ان لوگوں کی آلہ کار بن گئی۔

شروع سے اب تک یہ سارے ہنگامے محض اس مائکروٹیپ کے لیے ہوئے تھے جو انگشتری میں موجود تھا۔

ٹریزا چلی گئی تو پرمود نے اپنی جیب سے وہ انگشتری نکالی۔ اب وہ اس ٹیپ کا دیدار کرنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے اتنے ہنگامے ہوئے تھے۔ گو کہ ریکارڈنہ ہونے کی وجہ سے پرمود اس ٹیپ میں بھری ہوئی گفتگو سن نہیں سکتا تھا لیکن اسے محض دیکھنے کے لیے اس نے اپنی جیب سے چاقو نکالا اور انگشتری کے ان آنکڑوں کو سیدھا کرنے لگا جن میں وہ ہیرا پھنسا ہوا تھا۔ آنکڑے سیدھے ہوتے ہی وہ ہیرا انگشتری

سے الگ ... لیا۔ اس وقت پرمود انتہائی حیران ہوا جب اس نے دیکھا کہ ہیرے میں کوئی سوراخ نہیں تھا، کوئی خلانہ تھا جس میں ٹیپ چھپایا گیا ہو پہلا سوال جو پرمود کے ذہن میں گونجا وہ یہ تھا کہ عابد نے اسے غلطی سے کوئی دوسری انگشتری تو نہیں دے دی۔

☆☆☆

وہ ایک کہر آلود صبح تھی جب بحری بیڑا شالمی گڑھ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔

زار نکین ہائی کمان اور بلگارنیہ کے ارباب اقتدار کے لیے یہ ایک استعجاب انگیز خوش خبری تھی۔ استعجاب انگیز اس لیے کہ بحری بڑے کا صحیح وسالم پہنچ جانا حیرت انگیز ہی تھا۔ توقع تو یہ کی جارہی تھی کہ جب وہ بیڑا شالمی گڑھ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوگا تو اس کے آدھے جہاز راستے میں ریڈ گلفین جہازوں سے ہونے والے معرکوں میں کام آچکے ہوں گے لیکن قدرت نے کوئی ٹکراؤ ہونے ہی نہیں دیا تھا۔ بیڑے کے سارے عملے میں خوشی کی لہر دوڑی ہوئی تھی لیکن وہ اس لیے خوش نہیں تھے کہ وہ ریڈ گلف کے جہازوں سے ٹکراؤ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ یوں خوش تھے کہ تمام سامان جنگ ضائع ہوئے بغیر بلگارنیہ پہنچ گیا تھا۔ یہ اس مہم کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

اس خوشی میں عملے کے نصف افراد کو ایک دن کی چھٹی دے دی گئی اور باقی نصف افراد کے لیے دوسرے دن کی چھٹی کا اعلان کیا گیا۔ جن لوگوں کو پہلے دن چھٹی ملی ان میں ٹریزا بھی تھی۔

وہ ساڑھے نو بجے بندرگاہ سے روانہ ہوئی۔ ٹریزا نے فر کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر سیاہ دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ وہ ٹیکسی کی پچھلی نشست پر بیٹھی اضطراب کے عالم میں ان واقعات کے بارے میں سوچ رہی تھی جو پیش آنے والے تھے۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اور سانس بھی ناہموار سی تھی۔ اعصاب پر گھبراہٹ سی طاری ہوئی جارہی تھی۔ گھبراہٹ سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ کھڑکی سے باہر سڑک پر نظر دوڑانے لگی۔

ٹریزا کو اپنی حرکت پر ندامت تھی۔ کتنی گھناؤنی حرکت سرزد ہوئی تھی اس سے۔ چند روپوں کی خاطر اس نے اپنا ضمیر بیچ دیا تھا۔ اس سے زیادہ گھٹیا حرکت اور کیا ہوسکتی تھی۔ اب یہ داغ صرف اسی صورت میں دھل سکتا تھا کہ وہ اس پروگرام پر صحیح طرح عمل کرتی جو اسے پرمود نے بتایا تھا۔ پرمود جسے وہ بدستور سعید خالد ہی کے نام سے جانتی تھی اور جس کے بارے میں اس کا اندازہ تھا کہ وہ بلگارنیہ کی کوئی بہت ہی اہم شخصیت ہے۔

ٹیکسی ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رکی اور ٹریزا کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اس نے چونک کر دیکھا کہ ٹیکسی ایک ہوٹل کے سامنے رکی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی ہوٹل ہوگا جس کا نام اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو بتایا تھا۔

اس نے بیٹھے بیٹھے کرایہ ادا کیا۔ ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا اور وہ اتر کر ہوٹل میں داخل ہوئی۔ ایک ویٹر نے اسے اس جگہ تک پہنچایا جہاں لفٹ لگی ہوئی تھی۔ لفٹ میں وہ پانچویں منزل پر پہنچی اور کمروں کے نمبر دیکھتی ہوئی ایک راہداری میں چل پڑی۔

اب اس کے دل کی دھڑکنیں اور بے ہنگم ہوچکی تھیں۔ وہ بار بار اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر بھی زبان پھیر رہی تھی۔ آخر کار وہ اس کمرے کے سامنے پہنچ گئی جس کا نمبر اسے سیفگلی کی بندرگاہ پر بتایا گیا تھا۔ وہ کال بیل کا بٹن دبانے سے پہلے چند ثانیوں کے لیے رکی تاکہ اپنی نروس قسم کی حالت پر قابو پالے۔ پھر اس نے بٹن دبایا لیکن یہ اس کی غلط فہمی ہی تھی کہ اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اب بھی اڑا اڑا سا تھا۔

قدموں کی آہٹ سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ ایک دراز قد سیاہ فام آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر سفید ہونے کی وجہ سے بہت نمایاں معلوم ہورہی تھیں۔

"اندر تشریف لے آیئے۔" سیاہ فام نے

کراز یلین میں کہا۔ اس کا لہجہ بہت نرم تھا۔ وہ ذرا سا ایک طرف ہٹ گیا تا کہ ٹریزا کمرے میں داخل ہو سکے۔ اس کے اندر سے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ ٹریزا کو اچھی طرح پہچانتا ہو اور اسی کا انتظار کر رہا ہو۔

دھک دھک کرتے دل کے ساتھ ٹریزا کمرے میں داخل ہوئی اور سیاہ فام نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی ٹریزا کو یوں لگا جیسے وہ کسی ننھی منی چڑیا کی طرح بے رحم صیاد کے پنجرے میں آ گئی ہو۔

''تشریف رکھیے۔'' سیاہ فام نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں یہاں سے جلد ہی واپس جانا چاہتی ہوں۔'' ٹریزا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

اس سے پہلے کہ سیاہ فام کچھ کہتا، فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ٹریزا کو جواب دیے بغیر فون کی طرف بڑھ گیا۔ ریسیور اٹھا کر اس نے کسی سے بہت مختصر سی گفتگو کی جسے ٹریزا نہیں سمجھ سکی۔ وہ زبان اس کے لیے اجنبی تھی۔

وہ ریسیور رکھ کر ٹریزا کی طرف دیکھتا ہوا خفیف سا مسکرایا۔ موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں کے بیچ میں چمکنے والے سفید دانتوں کو دیکھ کر ٹریزا کو جھرجھری سی آ گئی۔

''غالباً آپ انگشتری لے کر آئی ہوں گی۔'' سیاہ فام بولا۔

''جی ہاں۔'' وہ اپنا وینٹی بیگ کھولنے لگی۔

سیاہ فام نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک پھولا ہوا پرس تھا۔ اس نے پرس میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر تپائی پر ٹریزا کے سامنے رکھ دی۔

ٹریزا اپنے بیگ سے انگشتری نکال چکی تھی۔ وہ انگشتری اس نے سیاہ فام کی طرف بڑھا دی۔ انگشتری ہاتھ میں لیتے ہی سیاہ فام کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''میں اب جانا چاہتی ہوں۔'' ٹریزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے نوٹوں کی طرف دیکھا۔

''یہ نوٹ آپ اپنے بیگ میں رکھ سکتی ہیں۔'' سیاہ فام نے کہا۔

''شکریہ۔'' ٹریزا نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے نوٹوں کی گڈی اٹھائی اور اپنے بیگ میں رکھ لی۔

سیاہ فام بولا۔ ''مجھے یہ کہنے کی تو کوئی ضرورت ہے نہیں کہ آپ اس بات کو ہمیشہ راز میں رکھیے گا۔ اگر یہ بات ظاہر ہو گئی تو آپ بھی دشواریوں سے نہیں بچ سکیں گی۔''

ٹریزا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور کھڑی ہو گئی۔ سیاہ فام اسے چھوڑنے کے لیے دروازے تک آیا۔ پھر اس نے خود ہی دروازہ کھولا تھا لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ٹریزا نے دیکھا کہ دروازے کے باہر میجر پرمود ریوالور تانے کھڑا تھا۔ سیاہ فام آدمی کے پیچھے ہٹتے ہی وہ کمرے میں آ گیا۔ ٹریزا کے دل کی دھڑکنوں کا اب یہ عالم تھا جیسے کوئی اس کی پسلیوں پر ٹھوکریں مار رہا ہو۔

''یہ میرا دیس ہے۔'' پرمود نے سیاہ فام آدمی کو گھورتے ہوئے مسکرا کر کراز یلین میں کہا۔

اسی دفعت سیاہ فام آدمی کی دائیں ٹانگ برقی سرعت سے حرکت میں آ گئی۔ ٹھوکر پرمود کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر پڑی تھی۔ ریوالور پرمود کے ہاتھ سے نکل کر کمرے کے کسی کونے میں جا گرا۔ ٹریزا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ سیاہ فام آدمی نے بڑی پھرتی سے اپنا ریوالور نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن اس کی کوشش بار آور نہیں ہوئی۔ پرمود نے کسی منچلے نوجوان چیتے کی طرح زقند بھری تھی اور سیاہ فام آدمی پر ٹوٹ پڑا تھا۔ ٹریزا لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

''ٹریزا! دروازہ بند کر دو۔'' پرمود نے کہا۔

سیاہ فام آدمی کسی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا۔ اس کی دونوں کلائیاں پرمود کے گھٹنوں کے نیچے دبی

ہوئی تھیں۔ وہ خود اس کے سینے پر چڑھا بیٹھا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے جبڑے سہلا رہا تھا۔

''یہ میرا دیس ہے میرے دوست!'' پرمود نے ایک بار پھر کہا۔

ٹریزا دروازہ بند کر چکی تھی۔ ہر ضرب پر سیاہ فام آدمی کے منہ سے عجیب سی آواز نکلتی تھی۔ اس کے ہونٹ اور اندرونی گال پھٹ گئے تھے۔ اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ پرمود اسے اس وقت تک مارتا رہا جب تک وہ بے ہوش نہ ہو گیا۔

ٹریزا دیوار سے لگی کانپتی رہی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ہونٹ بالکل خشک نظر آ رہے تھے۔

پرمود سیاہ فام آدمی کو بے حس و حرکت چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور ایک ٹھنڈا سانس لے کر مسکراتے ہوئے ٹریزا کی طرف دیکھا۔

''مسٹر۔۔۔ خالد!'' ٹریزا کی آواز کانپ رہی تھی۔

پرمود ہنس پڑا۔ ''بہت خوف زدہ ہو تم۔''

''زندگی میں پہلے کبھی ایسا واقعہ نظر سے نہیں گزرا۔''

پرمود کے ہونٹوں پر مسکراہٹ قائم رہی۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر ہوٹل کے آپریٹر کو ملٹری ہیڈ کوارٹر کے نمبر بتائے۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ ٹریزا خاموش کھڑی رہی۔ وہ پرمود کی باتیں سمجھنے سے بھی قاصر تھی کیونکہ وہ فون پر اپنی مادری زبان میں گفتگو کر رہا تھا۔ گفتگو ختم کر کے وہ پھر ٹریزا کی طرف مڑا۔

''کیا میں اب جاؤں۔'' ٹریزا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہاں اب تم جاؤ۔'' پرمود نے کہا۔ ''تھوڑی ہی دیر میں ملٹری پولس یہاں پہنچ جائے گی۔ اگر تمہاری گواہی کی ضرورت پڑی تو تمہیں بلا لیا جائے گا۔ وہ انگشتری کہاں ہے؟''

''وہ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھی تھی۔'' ٹریزا نے یہ کہتے ہوئے سیاہ فام کی طرف دیکھا جو بدستور بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' پرمود نے سر ہلایا اور سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔

''کیا میں اس بات پر یقین رکھوں کہ مجھ پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔'' ٹریزا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''قطعی۔'' پرمود نے کہا۔ ''بس اس بیان پر قائم رہنا جو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔''

جب ٹریزا وہاں سے روانہ ہوئی تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

پرمود کی ہدایت کے مطابق اسے یہ بیان دینا تھا کہ سیگلی کی بندرگاہ پر ایک آدمی نے اسے انگشتری کی چوری کے لیے ایک معقول رقم دی تھی لیکن اس نے انگشتری چوری کرنے کے بجائے پرمود کو یہ ساری بات بتا دی۔ پھر پرمود نے اسے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ کسی سے اس بات کا ذکر نہ کرے اور شالی گڑھ کے ہوٹل میں ملنے والے آدمی کو گرفتار کرانے میں اس کی مدد کرے۔''

☆☆☆

ان دنوں تمثیلہ بہت مضطرب تھی۔ پرمود کو دیکھے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا اس لیے محبت میں تڑپتے ہوئے دل کی بے قراری بڑھ جانا فطری بات تھی۔ کوئی شب ایسی نہیں گزرتی تھی جب وہ اسے خواب میں نہ دیکھتی ہو۔ کبھی کبھی پریشان کن خواب بھی نظر آتے تھے اور اس کا اضطراب بڑھ جاتا تھا۔ گزشتہ رات بھی اسے ایک ایسا ہی خواب نظر آیا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت بے چین تھی۔ اس کی خواب گاہ میں لگی ہوئی پرمود کی بڑی سی تصویر مسکرا رہی تھی اور تمثیلہ کی نظر بڑی دیر سے اس پر جمی ہوئی تھی۔

''تم کب آؤ گے پریمی۔'' وہ ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔

اسی وقت کسی نے پیچھے سے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

"پریمی۔۔۔!" تمثیلہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

وہ ان ہاتھوں کے لمس سے خوب واقف تھی۔ اس مخصوص مہک کا احساس اس کے ذہن میں اتنا ہی پختہ ہو چکا تھا جتنے یقین سے وہ اپنی روح کی موجودگی کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹی اور پرمود نے اسے آغوشِ محبت میں سمیٹ لیا۔

"تمثیلہ۔۔۔!" وہ اس کی مہکتی ہوئی زلفوں میں اپنا منہ چھپائے ہوئے تھا۔

تمثیلہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ خوشی کے آنسو پرمود کی قمیص میں جذب ہونے لگے۔ اس نمی کا احساس ہوتے ہی پرمود نے جلدی سے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر اٹھایا۔

"ارے تم رو رہی ہو پاگل!"

اور پھر وہ اپنے لبوں سے ان آنسوؤں کو پی گیا۔

تمثیلہ کا چہرہ مسرت سے گلنار ہوا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنا چہرہ پرمود کی چوڑی چکلی چھاتی میں چھپا لیا۔

محبت کے نشے میں سرشار انہوں نے کئی گھنٹے گزار دیے۔ دنیا جہان کی باتوں کے دوران میں وہ ہنستے اور قہقہے لگاتے رہے۔ اتنی دیر کے لیے ان کے ذہن سے یہ خیال بھی نکل گیا کہ جنگِ عظیم کے شعلے ان کے وطن کو بھی اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔

دوپہر کا کھانا ان دونوں نے ساتھ ہی کھایا۔ تمثیلہ کرید کرید کر سوال کرتی رہی اور پرمود اسے بتاتا رہا کہ اس طویل عرصے میں وہ کن کن حالات سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ بالآخر وہ ساری باتیں اس انگشتری پر آ کر رک گئیں۔

"میں حیران ہوں کہ اس انگشتری کی اہمیت کیا ہے۔" پرمود نے کہا۔ "پہلے تو مجھے یہ خیال گزرا تھا کہ اس ہیرے میں کوئی خول ہو گا جس میں وہ ٹیپ چھپایا گیا ہے لیکن میں دیکھ چکا ہوں کہ اس ہیرے میں کوئی سوراخ نہیں ہے۔"

"تو پھر۔۔۔؟"

"مجھے تین بجے اپنے دفتر جا کر چیف کو رپورٹ دینا ہے اور وہ انگشتری بھی اس کے حوالے کرنا ہے۔ چیف ہی سے معلوم ہو سکے گا کہ اس انگشتری کی اہمیت کیا ہے؟"

"وہ لڑکی ٹریزا کیسی ہے؟" تمثیلہ نے اچانک سوال کیا۔

"بہت خوب صورت ہے۔" پرمود نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ "جب تک میں جہاز پر رہا وہ میرے خوابوں میں آتی رہی۔"

"ہوں۔۔۔" تمثیلہ نے اسے بڑے تیکھے انداز میں دیکھا۔

"اب تم ہی بتاؤ، دل ہی تو ہے، اختیار میں نہ رہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"اس سے شادی کر لو۔" تمثیلہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"گویا تم میری دوسری بیوی بننا چاہتی ہو۔"

"کیا ضروری ہے کہ تم مجھ سے بھی شادی کرو۔"

"بہت خوب۔" پرمود نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔

تمثیلہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کپکپانے لگی۔ وہ سمجھ ہی سکتی تھی کہ پرمود یہ ساری باتیں اسے چھیڑنے کے لیے کر رہا ہے۔

ڈھائی بجے پرمود اپنے بنگلے سے روانہ ہوا۔ وہ کئی ماہ بعد اپنی خوب صورت اور سبک رفتار فاسٹر ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہیڈ کوارٹر پہنچنے تک اس نے راستے میں کئی مقامات ایسے دیکھے جہاں بمباری سے تباہ ہونے والی عمارتوں کا ملبہ پڑا ہوا تھا۔ ان ملبوں کو دیکھ دیکھ کر پرمود کی آنکھوں میں نفرت کی لہریں اٹھتی رہی تھیں اور اس نفرت کا ہدف ریڈ لفین ہوابازوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ تین بجنے میں دس منٹ پر ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔

وہ صبح بھی وہاں آ چکا تھا اور اپنے ساتھیوں سے

boldromanticnovels.pk

ملاقات کر لی تھی مگر اس وقت ان لوگوں نے اسے پھر گھیرنا چاہا۔ وہ بمشکل اپنا پیچھا چھڑا کر اس جگہ پہنچا جہاں لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔

مخالف سمت کی دیوار پر ایک سرخ بلب لگا ہوا تھا۔ وہ کبھی جلا ہوا نظر آتا تھا اور کبھی بجھا ہوا۔ اس کے جلنے بجھنے کی وجہ عام طور پر کسی کو معلوم نہیں تھی، صرف ڈی سیکشن کے آدمی اس کے بارے میں جانتے تھے۔ بلب کے روشن ہونے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ڈی سیکشن کا کوئی کارکن کرنل ڈی کے کمرے میں موجود ہے اس لیے کسی اور کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔

پرمود کو وہ بلب بجھا ہوا نظر آیا۔ ایسا ہونا ہی چاہیے تھا کیونکہ اس وقت اسے کرنل ڈی سے ملاقات کرنا تھی۔ ملاقات کا وقت مقرر ہو چکا تھا۔ شالمی گڑھ پہنچتے ہی پرمود نے فون پر کرنل ڈی سے بات کی تھی اور مختصر سی رسمی گفتگو کے بعد کرنل ڈی نے کہا تھا کہ تین بجے اس کے دفتر میں پہنچے۔

پرمود لفٹ میں سوار ہو کر نیچے کی طرف چل پڑا۔ کرنل ڈی کا دفتر زمین دوز تھا۔

لفٹ ہی میں پرمود نے اپنے چہرے پر وہ مخصوص نقاب چڑھائی جو ڈی سیکشن کے افراد استعمال کرتے تھے۔

لفٹ رکی تو وہ اس سے نکلا اور چند قدم چل کر ایک دروازہ کھولتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

وہ کمرا کرنل ڈی کی سیکریٹری لیڈی ون کا تھا۔ وہ اپنی میز کے پیچھے کرسی پر موجود تھی۔ نقاب اس کے چہرے پر بھی موجود تھی۔

پرمود نے اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے کہا۔

''ڈی فورٹین۔''

لیڈی ون نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور انٹر کام پر کرنل ڈی کو اس کی آمد کے بارے میں بتانے لگی۔ پھر گفتگو ختم کر کے اس نے پرمود سے کہا۔

''آپ جا سکتے ہیں مسٹر ڈی فورٹین!''

پرمود آگے بڑھ کر دوسرا دروازہ کھولتا ہوا کرنل ڈی کے کمرے میں داخل ہوا۔

ایک بڑی سی میز کے پیچھے کرنل ڈی ایک گھومنے والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی نقاب موجود تھی۔ اس نے پرمود کے سلام کا جواب دے کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ پرمود شکریہ ادا کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

''رپورٹ۔'' کرنل ڈی نے بلا تاخیر کہا۔

پرمود نے اپنی ٹائپ کی ہوئی رپورٹ کرنل ڈی کی طرف بڑھا دی۔

کرنل ڈی کی نقاب سے جھانکتی ہوئی آنکھیں پرمود کی رپورٹ پر جم گئیں۔ وہ دس منٹ تک رپورٹ پڑھتا رہا۔ اس دوران میں کمرے کی فضا پر مکمل سکوت چھایا رہا۔ پرمود کی نظر کرنل ڈی پر جمی رہی۔ آخر کار کرنل ڈی نے رپورٹ پڑھ کر اپنا سر اٹھایا اور پرمود کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں تم پر بلاشبہ فخر کر سکتا ہوں ڈی فورٹین!''

''شکریہ جناب!''

''تم نے ٹریزا کے ذریعے اس آدمی کو گرفتار کر کے بہت اچھا کیا۔ اب اس کے ساتھیوں کے بارے میں بھی معلوم کیا جا سکے گا جو شالمی گڑھ میں موجود ہیں۔''

پرمود نے اپنی جیب سے وہ ہنگامہ خیز انگشتری نکال کر کرنل ڈی کی طرف بڑھائی۔

کرنل ڈی نے ایک گہری نظر سے انگشتری کا جائزہ لیا، اور پھر اسے میز ہی پر رکھ کر پرمود سے بولا۔

''اس انگشتری کا حفاظت سے یہاں پہنچنا بے حد ضروری تھا۔''

''لیکن یہ میں اب تک نہیں سمجھ سکا جناب! کہ اس انگشتری کی اہمیت کیا ہے۔ اس میں کوئی ایسا سوراخ نہیں ہے جس میں وہ مائکرو ٹیپ رکھا گیا ہو۔''

کرنل ڈی دھیرے سے ہنسا، پھر بولا۔ ''وہ مائکرو ٹیپ اسی میں موجود ہے۔''

''اوہ۔'' پرمود کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' کرنل ڈی نے ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھہریے جناب!'' پرمود اچانک بول پڑا۔
''اگر وہ ٹیپ اسی میں موجود ہے تو پھر اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔''
''مجھے یقین ہے کہ تم سمجھ گئے ہو گے۔'' کرنل ڈی نے ہنس کر کہا۔
پرمود بولا۔ ''غالباً یہ ہیرا نہیں بلکہ شیشہ ہے۔''
''درست ہے۔''
''اور اس مائکرو ٹیپ کو موم جامہ کر کے اس میں چھپایا گیا ہے۔''
''لیکن تم ابھی کہہ چکے ہو کہ اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے۔''
''جی ہاں جناب۔'' پرمود نے کہا۔ ''شیشہ پگھلا کر ایک سانچے میں ڈھالا گیا۔ اس سانچے میں وہ مائکرو ٹیپ رکھ دیا گیا ہو گا۔ پگھلا ہوا شیشہ اس سانچے میں پہنچ کر اس طرح منجمد ہوا کہ وہ مائکرو ٹیپ اس میں چھپ گیا۔''
''ٹھیک ہے۔'' کرنل ڈی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اور اب اس شیشے کو توڑ کر وہ مائکرو ٹیپ نکال لیا جائے گا۔''
''غالباً آپ کو ابھی یہ تو نہیں معلوم ہو گا کہ اس ٹیپ پر کس قسم کی گفتگو ریکارڈ ہے؟''
''معلوم ہے۔'' کرنل ڈی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ باتیں مون لینڈ میں فیوزر لینڈ کے سفارت خانے کے اندر ریکارڈ کی گئی ہیں۔ آوازیں صرف دو آدمیوں کی ہیں۔ ایک آواز فیوزر لینڈ کے سفیر کی ہے اور دوسری آواز فیوزر لینڈ کے ایک جاسوس کی! سین گرلا میں اس جاسوس پر بڑی گہری نظر رکھی گئی تھی۔ اس جاسوس اور سفیر کی گفتگو ٹیپ کرنے کا یہ کارنامہ عارف بٹ کا ہے جس سے تم بھی وہاں ایک بار ملاقات کر چکے ہو۔''
''جی ہاں۔'' پرمود نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
کرنل ڈی سلسلہ کلام جاری رکھتا ہوا بولا۔ ''کسی طرح فیوزر لینڈ کے جاسوسوں کو بھی عارف بٹ کے اس کارنامے کا علم ہو گیا اور وہ لوگ اس کے پیچھے لگ گئے۔ یہاں سے عارف بٹ کو ہدایت کی گئی کہ وہ ٹیپ تمہارے پاس پہنچا دیا جائے تاکہ تم اسے لے کر شالی گڑھ آ سکو۔ عارف بٹ نے ایک آدمی کے ذریعے وہ ٹیپ فارگل میں عابد تک پہنچایا اور عابد کے ذریعے وہ تم تک پہنچا لیکن حالات سے پتا چلتا ہے کہ فیوزر لینڈ کے جاسوس برابر تعاقب میں لگے ہوئے تھے جس کی وجہ سے عابد کی زندگی کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑا۔''
''لیکن اس ٹیپ کی گفتگو سے کیا ظاہر ہوتا ہے جناب!'' پرمود نے پوچھا۔
''اس کی تفصیل عارف بٹ کی زبانی ٹرانسمیٹر پر یہاں پہنچ چکی ہے۔'' کرنل ڈی نے کہا۔ اور پھر بڑے گمبھیر لہجے میں بولا۔ ''اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عنقریب فیوزر لینڈ بھی جنگ میں کود پڑے گا۔''
یہ بات پرمود بھی سوچ چکا تھا کہ فیوزر لینڈ کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی لیکن پھر بھی وہ اس اطلاع پر چونک پڑا۔
''فیوزر لینڈ، مون لینڈ اور اس کے اتحادیوں سے جنگ چھیڑنا چاہتا ہے۔'' کرنل ڈی نے کہا۔ ''اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ وہ ریڈ گلف کا حلیف بن جائے۔''
پرمود نے اپنے جسم میں خفیف سے سنسناہٹ محسوس کی۔ ریڈ گلف اور فیوزر لینڈ کی یکجائی کا مطلب یہی تھا کہ جنگ کے شعلے انتہائی خوف ناک حد تک بلند ہو جاتے۔ فیوزر لینڈ بھی کافی بڑی طاقت تھی۔
''یہ ٹیپ بہت جلد مون لینڈ اور اس کے اتحادیوں تک پہنچا دیا جائے گا تاکہ وہ لوگ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔'' کرنل ڈی نے کہا۔
پرمود اب بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا تباہی ساری دنیا کا مقدر ہو چکی ہے۔

ایچ اقبال کی

# پرمود سیریز

boldromanticnovels.pk

الف پبلیکیشنز